نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

WITH THE COMPLIMENTS

OF

MEHRAN SUGAR MILLS LTD

?H FLOOR, ADAMJEE HOUSE

I.I.CHUNDRIGAR ROAD

KARACHI.2

?hones: 227131-4 lines

?ills at Tando Allahyar.

Cable: SUCROSE. Telex: 2771 SUCRO PK.

مدیر ــــــ سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک ــ پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
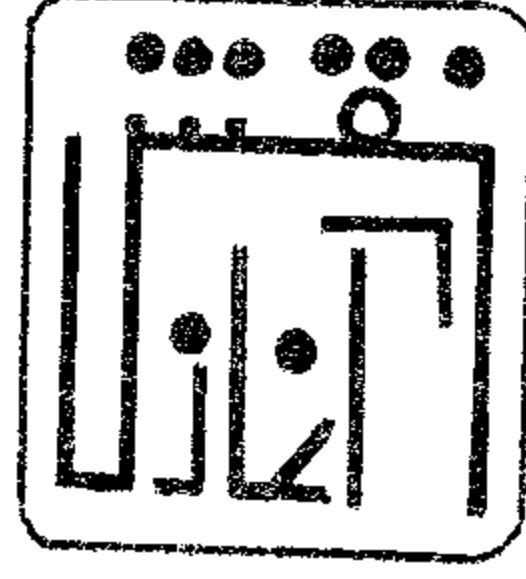
تختِ طاؤس کے وارث اور کیخسرو کیقباد کے مسند نشین شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بالآخر آغوشِ موت سے ہمکنار ہو گئے اور اس حال میں کہ سائرس اعظم کوروش کبیر کے شکستہ استخوانوں پر اپنی عظمتوں کی عمارت تعمیر کرنے والے خود سر انسان کو سلطنتِ فارس میں دو گز زمین بھی نہ ملی جہاں وہ دفن ہو کر کسی ہم وطن کے فاتحہ پڑھنے کے سزاوار ہو جاتے۔ کبر و نخوت اور رعونت سے اٹھائی گئی خاک کو اپنے اندر جذب بھی کیا تو فراعنہ کی سرزمین نے کہ جاہلیت اولیٰ کے احیاء کرنے والے شخص کو مناسبت تھی تو فراعنہ مصر ہی سے۔ یہ انجام یہ ذلت و خواری یہ جلاوطنی، اور یہ جھلستے ہوئے جلتے ہوئے آخری لمحاتِ حیات، یہ درد و کرب، یہ رسوائی اور یہ سوءِ عاقبت ہر اس متکبر و جبار کے مقدر میں ہے جس کے کاسۂ سر میں خاکساری اور فروتنی کی جگہ خدائی اور کبریائی کا بھوت ٹھکانہ بنائے۔ انسانیت کو معراج تک پہنچانے والے آخری رسول علیہ السلام نے قیصریت اور کسرویت کے بارہ میں اسی انجام بد کی خبر دی تھی۔ ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ ــ ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ ۔ وہ جو شہنشاہ کہلاتا تھا اس کے انجام کے یہ سارے مراحل مالک الملک رب کائنات مالکِ حقیقی کی حقیقی شہنشاہیت اور ملکوتیت کے اعتراف و اقرار کی دعوت بن گئے۔ کس مپرسی میں پردیس میں اٹھنے والا جنازہ جس نے بھی دیکھا اسکی زبان پر بلا اختیار۔ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اور العظمۃ للہ کا ورد جاری ہوا۔ کتنا ظلوم و جہول ہے وہ انسان جو چند روزہ اقتدار و اختیار کے سراب میں اتنا بھٹک جائے کہ خود فراموشی میں خدا کو بھی فراموش کر دے۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہٗ یوم القیامۃ والسموات مطویٰتٌ بیمینہٖ۔ قیامت تو قیامت ہے اس دنیائے فانی میں زمین و آسمان کی طنابوں پر اسی کی حکمرانی اور جہانبانی کے یہ مظاہر کیا اس اعلانِ حقیقت کیلئے کافی نہیں کہ:

"یا اللہ تو ہی مالک الملک ہے۔ جس کو چاہے چند روز اختیار دیدے اور جس سے چاہے سب کچھ چھین لے جسے چاہے معزز کر دے۔ اور جسے چاہے ذلت و نکبت کی اتھاہ گھاٹیوں میں پھینک دے۔ ہر خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

ساسانیوں کی سرزمین کا وارث سکندر و دارا کے نقوشِ جاہلیت کو اجاگر کرنے والا رضا شاہ خسرو پرویز ہی کے انجام سے دوچار ہوا۔ اور ہر متکبر و جبار خدا فراموش حکمرانِ فانی کو سامان صد ہزار عبرت و موعظت دے گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

موجودہ حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل میں ملک کے معروف اور ثقہ علماء کو لیکر کافی حد تک اعتماد اور اطمینان کی فضا پیدا کردی تھی اور یہ امید ہو چلی تھی کہ ایک طرف ارباب اقتدار کے بھرپور وعدوں اور عزائم اور دوسری طرف کونسل کی جامع اور باصلاحیت تشکیل سے کیا عجب کہ یہ بدقسمت ملک جلد از جلد اسلامی نظام و اقدار سے ہمکنار ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ایک طرف اسلامی سمت میں پیش رفت نہایت سست اور حوصلہ شکن ہے خواہ اس کے وجوہ کتنے ہی گہرے اور مؤثر کیوں نہ ہوں مگر دینی درد رکھنے والے مسلمان موجودہ سربراہ کو اس بارہ میں دنیا و آخرت میں سرخرو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسی میں ان کی بھی بھلائی ہے۔ اسلام کی بھی کہ آئندہ کسی بھی اسلامی نشأۃ و احیاء کے درد رکھنے والے افراد اور جماعتوں کے لئے کام کرنے کا دارومدار موجودہ دور پر ہوگا۔ اور اس کے مثبت یا منفی اثرات کام کو آسان یا پھر بے حد مشکل بناکر رکھدیں گے۔ مگر حال ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بعض جید علماء (جن میں ہمارے مخلص دوست مولانا محمد تقی عثمانی بھی پیش پیش تھے۔) کے کونسل سے مستعفی ہونے کی خبر بے چینی اور بدگمانیوں کا ذریعہ بنی۔ ان حضرات نے مفصل وجوہات تو صدر مملکت کے نام ایک ذاتی خط میں پیش کردئے ہیں مگر استعفیٰ کے مختصر خبرنامے سے یہ تشویشناک اطلاع ہرسو پھیل چکی ہے کہ حکومت نے اسلام آباد شیعہ کنونشن کے بعد فقہ جعفریہ کے مطابق الگ قانون سازی کے ارادے کا اظہار کیا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو نہایت تشویش واضطراب کی باعث ہے کہ پرسنل لاء اور شخصی معاملات میں ہر فرقے کیلئے اسکی فقہ کا نفاذ تو ایک حد تک قابل برداشت ہے۔ لیکن اگر ملک کے عام قوانین اور پبلک لاء میں بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر تفریق کا دروازہ کھولا گیا تو اس سے ملک وملت کی وحدت ویکجہتی پارہ پارہ ہوکر رہ جائے گی۔ اور ہر فرقے کیلئے اس بات کا جواز پیدا ہوگا کہ وہ اپنے لئے سڑکوں پر نکل کر الگ قانون کا مطالبہ کرے۔ اس طرح ملک کے ہر معاملے میں کئی متوازی قانون دنیا کے لئے تضحیک کا ذریعہ بنیں گے۔ اس صورت میں اسلامی قانون تو ایک مذاق بن کر رہے گا ہی۔ مملکت کا کوئی بھی نظام معقولیت سے چل نہیں سکے گا۔ اگر استعفیٰ کی یہ وجوہات واقعی صحیح ہیں۔ تو ہم صدر مملکت سے مخلصانہ درخواست کریں گے کہ وہ فوری طور پر مستعفی ہونے والے ارکین سمیت ملک کے جید اور معتمد سنی علماء کو تبادلہ خیال کا موقعہ فراہم کریں کہ یہ معاملہ الجھنے کی بجائے سلجھ جائے۔ خدانخواستہ فرقہ پرستی کی یہ آگ جو اسلامی آئین وقانون سازی کے کام کو بھسم کردینے کی ایک گہری سازش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے ابتداء میں نہ بجھائی گئی، تو مستقبل میں شاید ہی دین اور اسلام کیلئے کوئی فضا تیار کی جاسکے۔ ولا فعلہا اللہ۔

مملکت پاکستان کیلئے بلاشبہ سعادت اور خوش قسمتی کا غیبی سامان تھا کہ عہد حاضر کی عظیم برگزیدہ دینی و علمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی نے اس رمضان المبارک میں قیام پاکستان

کو ترجیح دی اب تک آپ سہارنپور یا پھر مدینہ طیبہ میں ہی رمضان گذارتے اور شہر رمضان مبارک کی برکتوں کو دوبالا کر دیتے۔ اس بار بھی دنیا کے کئی ممالک کی درخواستیں تھیں مگر آپ نے کسی لطیفۂ غیبی کی بنا پر اس سرزمین پاک کو ترجیح دی جو مسلمانوں کا بحالات موجودہ اہم ترین حصار ہے اور جس کے اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے عمل کو اسلامیانِ عالم بڑے شوق اور ولولہ سے دیکھ رہے ہیں۔ حضرت موصوف کی ساری زندگی دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور سب سے بڑھ کر حدیث رسول کریمؐ کے درس و تدریس، ترجمانی و تشریح اور اشاعت و ترویج میں گذری وہ ہمارے سلسلۃ الذھب کی آخری سنہری کڑی ہیں۔ فیصل آباد میں قیام کے دوران ہزاروں علماء و مشائخ اور دینی درد سے سرشار رضائے الٰہی کے طلبگار مسلمانوں نے آپ کی صحبت و زیارت اور آپ سے استفادہ کی سعادت پائی۔ یہاں دارالعلوم حقانیہ سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بوجہ علالت اپنی معذوری اور اشتیاق دید و لقاء کے ساتھ استدعاء دعوات کا پیغام حضرت کے ایک متوسّل کے ہاتھ بھیجا جس کے جواب میں حضرت مدظلہ نے اپنے پرخلوص اور متبرک اور قابل صد افتخار ذاتی ہدیہ کے ساتھ حسب ذیل والا نامہ ارسال فرمایا جسے پورا حلقۂ دارالعلوم اپنے لئے موجب سعادت سمجھتا ہے۔

المخدوم المکرم مولانا الحاج عبدالحق صاحب زاد مجدکم۔

سلام مسنون! آپ کا دستی گرامی نامہ پہنچا۔ امراض سے کلفت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپکو صحت و قوت عطا فرمائے۔ یہ ناکارہ بھی بہت سے امراض کا شکار ہے۔ دس برس سے ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے پیشاب پاخانہ دوسروں کے سہارے کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ ذیابیطس، اور بہت سے امراض میں مبتلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکی دعا سے اس ناکارہ کو بھی صحت عطا فرمائے اور آپکو جملہ امراض سے شفاء عطا فرما کر قوت عطا فرمائے۔ کتاب دعوات حق پہنچی۔ بہت اہتمام سے اسے سنا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات سے امت مسلمہ کو متمتع فرمائے۔ مولانا سلطان محمود صاحب کیلئے بھی دعائے صحت کرتا ہوں۔ آپ کے بچوں کیلئے بھی دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کو آپ کے نقش قدم پر چلائے۔ اسی پرچہ کے ہمراہ مبلغ دو صد روپے ہدیہ ارسال خدمت ہے امید ہے قبول فرمائیں گے۔

۹ر جولائی ۱۹۸۰ء فیصل آباد

حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری بستی نظام الدین دہلی کیطرف سے بھی ایک سو روپیہ ذاتی ہدیہ ارسال ہے۔

پورے حلقۂ دارالعلوم اور قارئین سے توقع ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری مدظلہ کی ذات بابرکات کے بابِ فیض و ارشاد قائم و دائم رہنے کی دعا کرتے رہیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ڈاکٹر عفیفی ابراہیم حسن (عربی)

فری میسن ــــــ صیہونیت ــــــ اشتراکیت

اسلام دشمن تحریکیں!

صیہونیت | یہ ایک یہودی تحریک ہے جو فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام اور بیت المقدس میں "ہیکل سلیمان" کی تعمیر کے لئے سرگرم عمل ہے جسے وہ اپنی قومیت کا نشان سمجھتے ہیں۔ صیہونیت یہودیوں کی ایک بہت بڑی اور پرانی تنظیم ہے جس کا مرکز لندن ہے۔ ۱۸۹۶ء میں ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل[1] کی کوشش و ہمت سے اس کا آغاز ہوا۔ جو یہودی النسل اور امیر المنفی (انتہا پسند لیڈر) کے لقب سے مشہور تھا یہی شخص صیہونیت کا بانی، اس کے انداز فکر کا موجد اور فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت قائم کرنے کا خواہاں تھا۔ صیہون صحرائے سینا میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی نسبت سے اس تحریک کا نام صیہونیت رکھا گیا۔ اس پہاڑ پر حضرت داؤد علیہ السلام[2] نے خواب میں ہیکل (معبد۔ یہودیوں کی عبادت گاہ) کی شکل دیکھی اور اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس معبد کی شکل سے مطلع کیا اور آپ کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس ہیکل کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا۔ اس معبد کے لئے لکڑی لبنان کے صنوبر کے درختوں کی استعمال کی گئی۔ اور یہ ہیکل موریا پہاڑ پر بنایا گیا جس کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے ہیکل سلیمان کے احاطہ میں سے ایک دیوار۔ دیوار گریہ (البراق الاسلامی[3]) باقی ہے جو مسجد اقصیٰ کی

ط1 "تھیوڈور ہرزل" "وی آنا" کا ایک یہودی تھا جس نے ۱۸۹۶ء میں "ریاست یہود" کے نام سے ایک رسالہ شائع کر کے صیہونیوں کے لئے قومی وطن کا مخصوص تصور پیش کیا۔ اس نے یہودی ریاست کی حدود کو دیوار (ترکی) سے نہر سویز تک مقرر کیں اور یہود کو فلسطین داؤد و سلیمان کا نعرہ دینے کے علاوہ واضح طور پر صیہونی تحریک کے مقاصد متعین کر دیئے۔ ط2 حضرت داؤد ۱۰۸۵ ق م میں پیدا ہوئے ۳۰ سال کی عمر میں سلطنت ملی اور ۴۰ سال تک حکومت کی ۹۴۵ ق م میں وفات پائی۔ ط3 البراق الاسلامی۔ حرم شریف کی مغربی دیوار میں ۵۰ فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ

(باقی [illegible])

کی مغربی دیواروں میں سے ایک دیوار ہے۔ جسے یہودی چومتے چاٹتے ہیں۔ اور اس کے پاس گریہ وزاری کے مظاہرے کرتے ہیں۔

اشتراکیت اور بالشوزم | اشتراکیت کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز انسانوں کے لئے مشترک ہے۔ یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو معاشرہ کے مختلف طبقات میں تخریب کاری کے ذریعے امتیاز ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تنظیم چونکہ اللہ تعالیٰ اور ادیانِ الٰہیہ کی منکر ہے اور ملحد ہے۔ لہٰذا یہ اپنی حکومت کے قیام کی خاطر دین اور وطن کسی چیز کو بھی تباہ کرنے سے گریز نہیں کرتی۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا یہ کہ مملکت کے تمام وسائل پر قبضہ کیا جاتے اور دوسرا یہ کہ ایک سیاسی جماعت کی حکومت (ONE PARTY GOVERNMENT) ہو اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی ہی جماعت میں سے تحریک کی وفادار شخصیتوں کو حکومت میں لایا جاتا ہے۔

اشتراکیت (COMMUNISM) کے نام میں بہت بڑا فریب ہے۔ اور لوگ اسے جنت سماوی سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تحریک یہودی اندازِ فکر کی مرہونِ منت اور بڑے بڑے یہودیوں کے افکار و اختراع کا نتیجہ ہے۔ کارل مارکس جو اس تحریک کا بانی ہے صیہونیت کا سرگرم رکن اور رومی پروفیسر اور عالم تھا۔ یہ تحریک بالشوزم (انتہا پسند انقلابی جماعت) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کے کارکن عالمی صیہونیت کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر کسی بھی علاقہ کے اجتماعی نظام خواہ وہ سیاسی ہو یا دینی، فکری ہو یا اقتصادی ——— کو زیر و زبر کرنے اور عوام الناس کو گمراہ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کارل مارکس کے علاوہ اس تحریک کے دوسرے قائدین مثلاً ٹراٹسکی۔ لینن اور زینوفیساف یہودی صیہونی اور رومی النسل تھے جو جمہوری اشتراکیت کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے۔ شرقی فلسطین اور مغربی روم حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

فری میسن (الماسونیہ) | اس تحریک کو فرانسیسی زبان میں "فرنسا سونتری" کہا جاتا ہے اور انگریزی میں فری میسن (FREE MASON) کہا جاتا ہے جس کے معنی "آزاد تعمیر" بھی ہو سکتے ہیں۔ اور "آزاد معمار" بھی۔ آزاد سے مراد ہیکل سلیمان ہے اور آزاد معماروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابتداءً ہیکل سلیمان کو تعمیر کیا۔

بقیہ حاشیہ — کی مغربی دیوار میں پچاس فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ یہودی جب اس مقام پر آتے ہیں تو گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اور اسی نسبت سے اس کا نام دیوارِ گریہ پڑ گیا ہے۔ اس مقام کو مسلمان البراق کہتے ہیں کیونکہ شبِ معراج کو سرورِ کائنات اسی جگہ براق سے اترے۔ براق کو باندھا اور مسجد میں تشریف لے گئے تھے۔ اس جگہ کی نشاندہی کے لئے ایک گول کڑا لگا ہوا ہے۔

آغاز | سب سے پہلے جس شخص نے یروشلم میں فری میسن کی پہلی مجلس منعقد کی وہ ہیروڈوس اغریپا تھا۔ یہ یہودی حکمران (۱۰ ق م تا ۴۴ء) تھا اور ہیروڈوس اکبر کا پوتا تھا۔ ہیروڈوس اکبر[1] وہ یہودی ظالم بادشاہ تھا جس نے بیت لحم کے بچوں کو محض اس خوف سے قتل کیا تھا کہ مسیح منتظر ان میں پیدا ہونے والا ہے۔ جو اس کی حکومت کا خاتمہ کرے گا۔ اور اس کا یہی فعل سیدہ مریمؑ اور اس کے بچے یسوع اور یسوع کے خالو یوسف النجار کے وہاں سے نکلنے کا سبب بنا کیونکہ فرشتے نے مریمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بچے کو لے کر مصر کی طرف چلی جائے اور اس طرح اپنی جان بچائے۔

جن لوگوں نے محفل اول میں ہیروڈوس سے تعاون کیا۔ ہیرودوس نے ان سے کہا کہ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہماری اس عظیم و پرشکوہ جماعت کی بنیاد کی تاریخ کا لوگوں میں سے کسی کو علم نہ ہونے پائے تاکہ جو لوگ اس جمعیت میں داخل ہوں انہیں یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس قدیم جماعت نے کون سے زمانہ میں تشکیل پائی۔ اور اس کے بانی مبانی کون تھے؟ بلکہ یہ تاثر دیا جائے کہ یہ تحریک ابھی تھوڑا عرصہ پیشتر ماند پڑ گئی تھی۔ ہیروڈوس اغریپا نے اپنے باپ کے متروکہ ذخائر میں چند قدیم اوراق دیکھے جو اس "پرانی جماعت" کے قوانین و ضوابط کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ لہٰذا اس نے وہ اوراق نکالے اور اسی جماعت کی طرف توجہ کی۔ اور اس تاریخی بنیاد کو سربستہ راز بنانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ایسی اہم اور بڑی جماعت میں شامل ہونے کا شوق پیدا ہو۔

تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روم کا ظالم بادشاہ نیرون تانیرو بھی اسی اغریپا کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے دو حصے ہوگئے تھے ایک فلسطین پر حکومت کرتا تھا بخت نصر شاہ عراق نے شکست فاش دے کر انہیں قید کر لیا۔ ہیکل سلیمان کو تباہ کیا۔ اور بہت سے یہودی گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس خاندان کے کچھ لوگ روم کی طرف بھاگ گئے۔ نیرو بادشاہ انہیں میں سے تھا (عہد حکومت ۵۴ تا ۶۸ء) جس نے بولس کو قتل کر کے عیسائیت کو تہس نہس کیا۔ اور روم میں یہودیت کا پنجۂ استبداد گاڑ دیا۔ رومی یہودیوں نے نیرون کے عہد حکومت میں شرق و غرب میں فتنہ و فساد، لاقانونیت اور جبر و استبداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

رومی یہودیوں کا یہ فرقہ دراصل یہودی عورتوں ہی کی اولاد تھی یہ لوگ اس لئے یہودی کہلاتے تھے کہ یہودی شریعت کے مطابق اولاد خواہ یہودی عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے۔ وہ بہرحال یہودی ہے اور ان کے نام باقاعدہ ان کے معبدوں کے ریکارڈ میں درج کئے جاتے تھے۔

---

[1] (۲۷، تا ۴ ق م) اس کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے (بحوالہ المنجد) مترجم

فری میسن کی اقسام | فری میسن فی الحقیقت تین گروہوں میں منقسم ہے۔

۱۔ عام خفیہ تنظیم۔

۲۔ شاہی فری میسن جو دنیا کے سربراہانِ مملکت اور بڑے لوگوں سے روابط قائم کرتی ہے۔

۳۔ فری میسن کی ظاہری سُرخ تنظیم جسے اشتراکیت کہتے ہیں۔

عام خفیہ تنظیم | جسے عموماً قرمزی تنظیم کہا جاتا ہے اس کے ۳۳ درجات (قواعد و ضوابط) ہیں جو خالصۃً رموز یا کوڈ ورڈز (CODE WORDS) کی شکل میں ہیں۔ بظاہر یہ لوگ بنی نوعِ انسان کی حریت فکر اور آزادیٔ ضمیر اور سماجی کفالت کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اصل مقصد دینی، سیاسی اور نظامِ حکومت کے مسائل میں جھگڑے برپا کرنا ہوتا ہے۔

یہ فرقہ اپنے ہر درجہ یا منزل پر زیادہ تر رموز یا کوڈ ورڈز سے کام لیتا ہے۔ اراکین تحریک ان رموز کے معانی معانی خوب سمجھتے ہیں اور انہی رموز کے ذریعہ ہدایات وصول کرتے اور اپنے نائبین تک پہنچاتے ہیں جنہیں عام لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ اسی طریقہ کار سے یہ لوگ کسی آدمی کے روابط اس کے دین، وطن، قوم اور سیاست سے منقطع کرتے ہیں۔ اور اپنی خالص یہودی تنظیم و فرائض کی اشاعت کرتے ہیں۔

اس تحریک کے ارکان کو ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک ترقی کرنے کے لئے مختلف قسم کے امتحان دینا پڑتے ہیں۔ اور ہر امتحان کے بعد اس رکن کو بڑے استاد یا سیکریٹری جنرل کی طرف سے سرٹیفیکیٹ عطا کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ سرٹیفیکیٹ عبرانی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ پھر دو زبانوں میں لکھے جانے لگے۔ مقامی زبان میں اور عبرانی زبان میں لیکن اب صرف مقامی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ عام لوگ اس یہودی تحریک سے قریب ہوں اور اس تحریک کی بنیاد کی تاریخ چار ہزار (۴۰۰۰) سال قبل مسیح بتائی جاتی ہے[1]۔ اس تحریک کے ارکان ہر غیر یہودی اقتدار کے دشمن ہوتے ہیں۔ خواہ یہ دینی نوعیت کا ہو خواہ تمدنی ہو یا سیاسی ہو۔ اور انہی تین کلیدی شعبوں سے متعلق ہی رموز استعمال کئے جاتے ہیں۔ فری میسن کے ارکان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انہی تین شعبوں کو اپنی اغراض کے مطابق ڈھالنے کے لئے کام کرے۔

شاہی خفیہ تنظیم | اس تحریک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر ملک کے سربراہان، وزراء اور ہر شعبہ کی بڑی بڑی شخصیتوں اور اربابِ حل و عقد سے روابط قائم کرے۔ ان لوگوں کو ان کی اغراض کی تکمیل کے لئے مکمل حمایت اور ضمانت کا یقین دلایا جاتا ہے۔ فری میسن کی خفیہ تنظیم کے اس گروہ کو خفیہ شاہی تنظیم کہا جاتا ہے اور

---

[1] سالاں کہ اس تحریک کے بانی ہیرودوس اغریپا کا عہدِ حکومت ۳۷ء تا ۴۴ء ہے۔ مترجم

اس مخصوص گروہ کا مقصد جیسا کہ تورات میں مذکور ہے۔ یہودی مذہب کا احترام اور فلسطین میں قومی وطنیت کے نام پہ یہودی حکومت کا قیام ہے۔ نیز مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمان کی تعمیر بھی ان کا بنیادی مقصد ہے۔ جو ان کی قومیت کا نشان ہے۔ یہ لوگ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں میں اس بات کی اشاعت کرتے رہتے ہیں کہ ان کا مقصد فلسطین میں اسرائیل کی حکومت کا قیام اور ایسے تمام تر علاقوں کی بازیافت ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے قیام فرمایا تھا خصوصاً جزیرہ سینا جہاں طور پہاڑ ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام چڑھے اور اللہ تعالیٰ سے بات چیت ہوئی اور ان پر تورات نازل ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمان کی تعمیر ان کے مقاصد میں شامل ہے۔ یہ تحریک یہودیوں کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ جب تک یہودیوں کے شعائر والے علاقہ جات واپس نہ لیئے جائیں۔ ان کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اور جو مالی فنڈ عام خفیہ تنظیم سے وصول ہوتا ہے وہ سب کچھ اس شاہی تنظیم کے مقاصد کی تکمیل پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ گویا شاہی تنظیم عام فری میسن تنظیم کا تتمہ ہے۔

اس شاہی خفیہ تنظیم کی غرض وغایت فلسطین میں "اسرائیل کبریٰ" کی حکومت کا قیام اور اس کی توسیع ہے جو کہ تمام جزیرہ عرب۔ شام۔ لبنان۔ عراق۔ مصر اور شمالی افریقہ کے بڑے ممالک سے لے کر صحرائے اعظم کے جنوب تک پھیلی ہونی چاہیئے۔ اسی پلاننگ کی بنا پر اب اسرائیل افریقی ممالک سے اپنے تعلقات بڑھا رہا ہے۔ کہیں مالی امداد واعانت کی جاتی ہے۔ کہیں اقتصادیات پر قابو پایا جاتا ہے۔ اور کہیں ان ممالک کی تنظیموں میں جھگڑا و فساد برپا کیا جاتا ہے۔ تاکہ جب بھی بن پڑے ان ممالک میں آسانی سے اقتدار حاصل کیا جا سکے۔ اس تحریک کے ارکان کے چار درجے ہیں۔ مبتدی۔ کارکن۔ استاذ اور رفیق (کامریڈ) کامریڈ فری میسن کا سب سے بلند درجہ ہے۔ لینن۔ سٹالن۔ ٹرائسکی وغیرہ سب کامریڈ تھے۔

سرخ فری میسن یا اشتراکیت | یہ تنظیم عموماً یہودی تنظیم نہیں سمجھی جاتی۔ کیونکہ اس میں شاہی خفیہ تنظیم کے چند افراد کی شمولیت کے سوا بظاہر اس کا یہودی تنظیموں میں کوئی متعلق نظر نہیں آتا۔ اور یہ چند لوگ جو اس میں شامل ہوتے سب رومی النسل یہودی ہیں۔ اس فرقہ کی غرض وغایت تمام عالم میں لاقانونیت اور بے چینی کی عام لہر دوڑا کر اور اضطراب پیدا کر کے شاہی خفیہ تنظیم کے لیئے میدان ہموار کرنا ہے۔ اور یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اشتراکیت کی تنظیمیں جو اقصائے عالم میں کام کر رہی ہیں سب صیہونی یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو انہیں مناسب ہدایات دیتے، ان کی مالی امداد کرتے اور دوسری اقسام کی مدد اور توجہ دیتے رہتے ہیں۔ اور ان کے آلہ کار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ملک میں کسی نہ کسی طرح کا تفوق رکھتے ہیں۔

اشتراکیت بھی عالمی صیہونیت کی ایک شاخ اور اسی کی آلہ کار ہے۔ عالمی اشتراکیت اور عالمی صیہونیت کے درمیان ایسے خفیہ روابط پائے جاتے ہیں کہ سرخ اشتراکیت عالمی صیہونیت کے مرکز اعلیٰ کی

ہدایات پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کی فضا اس کے لئے سازگار بنا رہی ہے۔

اس گروہ کی غرض و غایت یہودیوں اور راسونیوں کی وساطت سے روم میں اپنی حکومت کا قیام ہے، جس پر ان کے بزرگ حکمران رہ چکے ہیں جس طرح ان کے بزرگ نیرون نے روم کو تہس نہس کیا تھا یہی کچھ کرکے یہ لوگ، روم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کی ایک ایسوسی ایشن نیویارک (امریکہ) میں قائم ہے جس میں یہودیوں کے بھی خاص خاص اشخاص ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کے اجلاس کب اور کہاں ہوتے ہیں۔ اس کے ممبران اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا یہی لوگ مختلف وسائل کو بروئے کار لاکر یہودی مال و دولت سے کام لے کر مختلف ممالک میں مختلف تنظیمیں قائم کرکے تمام دنیا میں اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی زندگی میں اضطراب پیدا کرتے اور لوگوں کے ضمیر خریدتے ہیں۔ اور مسیحیت کو دنیا سے نیست و نابود کرکے، نیز دوسرے ادیان کا خاتمہ کرکے تمام عالم کو یہودی بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔

اس ایسوسی ایشن کا طریق کار یہ ہے کہ وہ طلبا اور مزدوروں میں تخریبی تحریکیں چلا کر عام بے چینی کی فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح مختلف ممالک میں رہنے والے یہودیوں کو ان ممالک کے بڑے لوگوں سے رابطہ قائم کرکے انہیں ہر طرح سے اطمینان مہیا کیا جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اسرائیلی ہوں۔ اور یورپ یا امریکہ کے باشندے ہوں۔ ایسے یہود کے فرائض یہ ہیں کہ وہ اسرائیلی فوج کی امداد بھی کریں اور خود بھی اپنے وطن مالوف اُم اسرائیل کی خاطر دو سال جبری فوجی ٹریننگ حاصل کریں جس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہر سال تین ہفتہ کے لئے اسرائیل جائیں اور جدید جنگی اسلحہ کی تکنیک اور تربیت حاصل کریں۔

بلاد اسلامیہ کے بعض ذمہ دار افراد یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے یہودی برضا و رغبت اسرائیل جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ لوگ خالص یہودی النسل ہوتے ہیں اور اسرائیل حکومت انہیں بلاد اسلامیہ سے جنگ سے قبل انتہائی خفیہ طور پر اپنے ہاں بلا لیتی ہے۔ تاکہ وہ مادر وطن کا دفاع کر سکیں۔ یہ بات مجھے بعض یورپین یہودیوں سے بنفس نفیس معلوم ہوئی ہے۔ کہ یہ لوگ عربی دنیا کی ہلاکت کے لئے اسرائیلی خواہشات کے آلہ کار ہوتے ہیں۔

شاہی خفیہ تنظیم اور سرخ اشتراکیت کا باہمی تعلق

ان دونوں تنظیموں کا ہدف یا آخری منزل ایک ہی ہے۔ شاہی خفیہ تنظیم اس لئے قائم کی گئی کہ فلسطین میں اسرائیل کی حکومت قائم ہو۔ بعد ازاں عرب ممالک بحر شمالی افریقہ کے جنوب تک کے ممالک کو حکومت اسرائیل کا مطیع و منقاد بنا کر انہیں یہودی بنایا جائے اور اشتراکیت کے طریقے بروئے کار لاکر تمام دنیا کی فضا کو یہودیت کے لئے سازگار بنایا جائے۔ اور ان کے اس ہدف کو اس خوف سے ظاہر نہیں کیا جاتا تاکہ تمام دنیا ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ ہو کر ان سے برسر پیکار نہ

ہوجائے۔ اور ان پر عرصہ حیات تنگ نہ کر دے۔ سو یہ قرار پایا کہ اشتراکیت اپنے انتظامات کے علاوہ دوسرے ممالک میں یہ اسلوب اختیار کرے کہ چھوٹوں (نوجوانوں) کو جو ناپختہ عقل ہوتے ہیں اور غریب مزدوروں اور کسانوں کو استعمال کیا جائے۔ اور انہیں دھوکہ دے کر پراگندگی پیدا کی جائے جب اس کام کی تکمیل ہو جائے تو بلا خوف و خطر تمام دنیا پر یہودی حکومت کا اعلان کر دیا جائے۔ بعد ازاں اسباط اسرائیل کی اولاد میں سے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیا جائے جو تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا۔ اور ایسی یہودی حکومت مارکس۔ لینن۔ ہرزل۔ زنگفیل اور نوردو کے پلہ کے لوگوں کی وساطت سے قائم ہو سکتی ہے۔ اور یہ سب لوگ صیہونی اشتراکیت کے عمائدین تھے جنہوں نے عام دینی طبعی اور سیاسی بنیادوں کو مسمار کیا۔ تاکہ اشتراکیت کی بنیادیں استوار کی جائیں۔ یہ سب لوگ، تخریب کار تھے۔ کیونکہ ان کے اعمال کے نتائج فتنہ و فساد کی شکل میں رونما ہوتے۔ اشتراکیت ایک خطرناک حیلہ ہے جو اجتماعی تنظیموں کو بنیادوں سے اکھاڑ دیتا ہے۔ اشتراکیت کے بانی جو اپنے گمان کے مطابق مزدوروں اور انسانیت کے ہمدرد بن کر معاشرہ سے انتقام پر آتے ہیں۔ اپنے اصول لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے بقول خود مزدوروں کو زندگی بخشنے اور انسانیت کو آرام پہنچانے کے لئے اشتراکیت کا جھنڈا پھیلاتے ہیں۔ حقیقتاً وہ اپنا کام نہایت رازداری سے کرتے اور سوچی سمجھی سکیم کے مطابق حملے کرتے ہیں۔ اور اس طرح دھوکے سے لوگوں کے افکار و نظریات پیدا کر کے یہودی صیہونیت کے افکار رائج کرتے۔ انہیں یہودی شریعت کے تسلیم کرنے کے لئے تیار کرتے اور مسیحی دنیا سے مسیحیت کے خاتمہ کے درپے ہوتے ہیں۔ کسی ملک کے اقتصادی، تمدنی اور اجتماعی امور کو بداخلاقی اور اپنے تخریبی کاموں سے تباہ کر دیتے ہیں اور جو شخص صیہونیت کے دانشوروں کے پروٹوکول (قواعد و ضوابط) کو جانتا ہے۔ اسے قوی دلائل کی بنا پر یہ ثبوت مل جاتا ہے کہ عامۃ الناس کے لئے عموماً اور مسیحی دنیا کے لئے خصوصاً ان کے عزائم کس قدر ناپاک ہیں۔ عالمی صیہونیت کے یہ اغراض و مقاصد عالمی اشتراکیت کے پس پردہ چھپے ہوتے ہیں۔

اشتراکیت کے زعماء غیر یہودی ممالک کی امداد کیوں کرتے ہیں؟ بعض اشتراکیت کے علمبردار غیر یہودی ممالک کی مالی اور انفرادی امداد کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد حکومت میں اثر و نفوذ حاصل کر کے، اور جمہوریت کے ذریعہ اپنے وفادار اشخاص کو آگے لا کر وسیع تر میدان میں اپنے اغراض کی تکمیل کرنا ہوتا ہے۔

اس طرح یہودی اور عالمی صیہونیت عالمی اشتراکیت کی وساطت سے اپنے مقاصد کو پروان چڑھانے کے لئے کوشش کرتی ہے اور بعد ازاں جب عالمی اشتراکیت اپنا حلقہ اثر وسیع کرے گی تو عالمی یہودی حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اور تمام لوگوں کو یہودی بنا کر اشتراکی نظام کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے گا۔

عالمی صیہونیت اور عالمی اشتراکیت میں فرق

اشتراکیت کے علمبردار اس بات میں کوشاں ہیں کہ اشتراکیت کو سہولت اور سرعت کے ساتھ یورپ۔ شرق اوسط اور شرق بعید میں پھیلایا جائے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی اشتراکیت اپنے اس مؤقف میں عالمی صیہونیت سے قوی تر ہونے لگی ہے۔ اشتراکیت دنیا پر پھیلاؤ ضرور چاہتی ہے لیکن لوگوں کو یہودی بنانا نہیں چاہتی۔ جب کہ عالمی صیہونیت لوگوں کو یہودی بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اور جب سے عالمی صیہونیت نے دھوکا اور عالمی فریب کی بنا پر اسرائیل کی حکومت قائم کی ہے۔ پھر جنگِ حزیران (جون ۱۹۶۷ء) کے بعد پھیلنے لگی ہے۔ اور اب اس نے بلادِ اسلامیہ سے جنگ کا ارادہ کر لیا ہے تو اشتراکیت کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ جب بھی عالمی صیہونیت کا بس چلے گا وہ اشتراکیت کو اسرائیل میں جذب کرلے گی۔ اور دنیا پر اس کی حکمرانی قائم ہو جائے گی۔ اشتراکیت اس حد تک عالمی صیہونیت کی مؤید ضرور ہے کہ فلسطین میں حکومت اسرائیل قائم ہونی چاہیئے۔ لیکن وہ فلسطین سے حدود تجاوز کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ کیونکہ ایک کی وسعت اور قوت دوسری کے زوال کا سبب بن جائے گی۔ اسی لئے ان دونوں تنظیموں کا یہ پوشیدہ اختلاف کافی شدت اختیار کر چکا ہے۔ عالمی صیہونیت اور اشتراکیت دونوں کی چکی اس محور کے گرد گھوم رہی ہے کہ عالمی اقتدار کے معاملہ میں کونسی تحریک دوسری پر غلبہ حاصل کرتی ہے۔

بعض یورپی اشتراکی ممالک کے حکام پر یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ وہ عالمی صیہونیت کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں جسے انہوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ اور اپنی عقل کی آواز اور وطن کی ندا کو قبول کرتے ہوئے ان بھونڈے نتائج کو اپنی روشن آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے کہ اشتراکیت نے کس طرح ان کے ملک اور ان کی قیادت۔ ان کی مذہبی۔ اقتصادی۔ اجتماعی۔ ثقافتی اور اخلاقی حالت کو تخریب کاری کے ذریعہ زیر وزبر کر کے رکھ دیا ہے۔ اور کس قدر جانیں اس دوران ضائع ہوئیں۔ وہ لوگ اشتراکی نظام اور خود اپنی حکومت کے خلاف بھی ایجی ٹیشن کر رہے ہیں۔ اور اشتراکیت کے مادرِ وطن روس سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ یہ جو کچھ مشرقی یورپ میں نمودار ہو رہا ہے وہ اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ یہ لوگ اشتراکیت کے پردے میں چھپے ہوتے عالمی صیہونیت کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔

مغربی ممالک اور صیہونیت

مغربی ممالک جن کے سربراہ انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی اور امریکہ ہیں۔ انہوں نے ہی عالمی صیہونیت کو پروان چڑھانے کے لئے عربی ممالک میں یہودیت کے بیج بوئے اور اس کی رعایت اور حمایت کے معاہدے کیئے حتیٰ کہ یہ تحریک ابھری۔ جوان ہوئی اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی پھر اسے معاہدہ بالفور ۱۹۱۷ء کی رو سے مضبوط بنایا گیا۔ اور بزور بازو فلسطین میں اسرائیلی طرز کی حکومت کا پلان

تیار ہوا۔ اور اس کی اسلحہ سے بھی اور حمایت کے اعلان سے بھی مدد کی گئی۔ اس چھوٹی سی غیر شرعی مملکت کو بنیاد اور مرکز قرار دیا گیا تاکہ یہاں سے شرق اوسط پر دوسری بار غلبہ حاصل کیا جائے۔ امتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کے لئے سلطان عبدالحمید نامی کے عہدِ خلافت میں ترکی اور عربی ممالک کے درمیانی علاقہ کو فتنہ و فساد برپا کر کے تباہ کیا گیا۔

پھر عالمی صیہونیت نے مغربی ممالک کے بل بوتے پر ترکی کے حکام کے ضمیروں کو خریدا اور مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں ترکی میں تحریک انضباط چلائی گئی۔ تاکہ خلافت اسلامیہ کا مکمل طور پر خاتمہ ہو سکے۔ ترکی میں یہ تحریک کامیاب ہوئی تو مصطفےٰ کمال نے بلادِ اسلامیہ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ یہ پہلا کیل تھا جو امتِ اسلامیہ کی نعش میں ٹھونکا گیا۔ اس طرح یہ حکومت عالمی صیہونیت کی عیاریوں کی وجہ سے اور مغربی استعماری طاقتوں کے واسطہ سے کمزور پڑ گئی۔ اور یہ سب کچھ ان فوجی انقلابات کے علاوہ تھا۔ جو دنیا میں اور بلادِ اسلامیہ میں برپا کئے جا رہے تھے۔ اس طرح حکومت ترکی کے لئے ایسے حالات پیدا کر دئے گئے کہ وہ دین سے یکسر علیحدہ ہو گئی۔ وہ نام کو تو اسلامی سلطنت تھی مگر عملاً علمانی (سیکولر) سلطنت بن گئی۔ پھر یہ سلطنت یہودی اشتراکیت کے جنگل میں پھنس گئی۔ اور فوجی تحاریک کے علمبرداروں کو کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔

لیکن جب ماضی قریب میں عالمی یہودی صیہونیت کے عزائم آشکارا ہو گئے۔ اور بعض صاحب بصیرت حکام کو یہ حقائق معلوم ہو گئے۔ جیسے روس میں قیصر کے حکام کو معلوم ہوتے تھے تو غیرت مند مسلمانوں نے یہودیوں کی شرارتوں سے دنیا کو بچانے کے لئے ان کا سامنا کیا۔ اور ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی نے، جو یہودی اور صیہونی تھا اور مسیحیت کو مٹا کر دنیا کو یہودی بنانا چاہتا تھا۔ ایسے بہت سے لوگوں کا صفایا کر دیا جو کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ اور اگر ہٹلر کے مقدر میں فتح ہوتی تو دنیا ان لوگوں کے یہودی بنانے کے ناپاک عزائم اور شرارتوں سے کبھی محفوظ نہ رہتی۔ اور اگر یہودی دنیا پہ قابض ہو جاتے تو مغربی مسیحی دنیا بذاتِ خود بھی بھیانک انجام سے نہ بچ سکتی۔

لیکن ہٹلر سے مقابلہ کے وقت ان مغربی سربراہان مملکت کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور عقل پر پردہ پڑ گیا۔ وہ ہٹلر کی شدت ناپسندیدگی کی وجہ سے مقابلہ کر رہے تھے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کہتا کیا ہے۔ اور یہودی یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ مغربی سربراہان ہٹلر کے انداز فکر اور مسیحیت کو مٹانے کے لئے ہمارے عزائم سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ سو ان یہودیوں نے ان مغربی زعما کا رخ اشتراکیت کی طرف موڑ دیا تاکہ مل کر ہٹلر کا مقابلہ کیا جائے۔ مغربی زعما اس وقت تک اندھے ہی رہے جب تک کہ اشتراکی مملکت روس، جو کہ عالمی صیہونیت کا نتیجہ ہے سے تباہ کن اسلحہ کا واقعہ پیش نہ آیا۔ کاش کہ مغربی زعما یہ سمجھ جائیں کہ وہ تمام قربانیاں جو عرب اور مسلمانوں نے اسرائیل کے مقابلہ میں دی ہیں وہ ان قربانیوں کے مقابلہ میں بہت قلیل ہیں۔ جو اگر اس وقت یہودی غالب آ جاتے تو عام دنیا کو عموماً

اور مسیحی دنیا کو خصوصاً ان کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے دینا پڑتی ہیں۔ ان یہودیوں کے قدم مغربی دنیا میں جم چکے ہیں یعنی افریقہ اور روس اور مشرقی اشتراکی یورپ پر ان کا تسلط ہو چکا ہے۔ جو آہستہ آہستہ مغربی یورپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اور اب مشرق بعید سے ہوتے ہوئے شمال اور جنوبی امریکہ کے بڑے بڑے ممالک تک پہنچ رہا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ان سب کو یہودی بنا کر دم لیں گے۔ اور عالمی یہودی سلطنت کا اعلان کر دیا جائے کاش کہ مغربی زعما مسلمانوں اور اسلام سے ناپسندیدگی اور کینہ نہ رکھتے جب کہ اسلام مسلمانوں کو دوسرے ادیان کے لئے محبت اور احترام سکھاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ کاش یہ لوگ اپنے کالے لوگوں سے کینہ نہ رکھتے تو یہ سب مل کر یہود کے مقابلہ میں ضرور کامیاب ہوتے۔ اور عالمی اشتراکیت کے لئے بلائے مبرم ثابت ہوتے۔ اسرائیلی حکومت اور دنیا میں یہودیوں کی شان و شوکت ختم ہو جاتی۔ اور اس کے لئے کوئی جنگ بھی نہ لڑنی پڑتی۔ اور عالمی یہودیت کی اس پلاننگ سے محفوظ رہتی۔

یہ بات حیرت انگیز اور قابل افسوس ہے کہ یہودی اہل یورپ اور اہل امریکہ کو کمزور سمجھتے ہیں انہیں حقیر جانتے اور اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے انہیں استعمال کرتے اور ان سے اپنی بات منوا لیتے ہیں۔ یورپ انگلینڈ، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے دارالخلافہ ملنے کے لئے خواہ ان حکومتوں کے امور داخلی ہوں یا خارجی تل ابیب سے احکام جاری ہوتے ہیں تا کہ اسرائیل اور عالمی صیہونیت کے مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا جا سکے۔

بنا بریں تمام دنیا کے صاحب عقل و شعور لوگوں کو اور خصوصاً یورپ، انگلینڈ اور امریکہ کے دانشوروں کو پکار کر کہتا ہوں کہ وہ اپنی سیاست میں تبدیلی پیدا کریں عقل و ہوش سے کام لیں۔ اور مزید وقت ضائع کئے بغیر اپنے دین اور وطن کے مفادات کے لئے فیصلے کریں۔ عالمی صیہونیت اور یہودیوں کی پلاننگ کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں تاکہ انسانیت کو یہود کی ان تباہ کاریوں سے بچا سکیں جو وہ عالمی اقتدار کے حصول کی خاطر برپا کرنا چاہتے ہیں۔

از جناب ڈاکٹر سید زاہد علی صاحب واسطی

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

ہمارا جسم خدا کی شہادت دے رہا ہے؟

خدا کو کیسے دیکھیں؟ یہ سوال اکثر ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ انسان خدا کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز کسی خاص جہت۔ مقام، شکل اور رنگ میں سامنے موجود ہو۔ روشنی کی شعاعیں اس سے منعکس ہو کر انسان کی آنکھ میں پردہ بصارت پر پڑیں اور آنکھ سے ایک خاص نس کے ذریعہ دماغ میں بینائی کے مرکز تک اس کی تصویر منتقل ہو جائے۔ کیا اللہ جل وعلی کی ذات کے متعلق اس طرح قابل دید ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے دیکھ سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ بات تو بڑی غلط فہمی پر مبنی ہو گی۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے وجود کو دیکھنے کی حقیقت کا عملی ظہور اس خاص صورت میں ہو سکتا ہے۔ تو یہ اس کی کم عقلی ہے۔ ورنہ خدا کو خدا کی خدائی میں دیکھنے کی ایسی بے شمار صورتیں ممکن ہیں۔ جن میں ہم خدا کی تجلی اور اس کا نور اس کا ظہور عملاً دیکھ سکتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض ط مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح ط النور ۳۵

اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا نور۔ اس کی حالت ایسی ہے۔ جیسے ایک طاق ہے۔ اس میں ایک چراغ ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ذاتِ خداوندی کا جلوہ کائنات کے ہر منظر میں جھلکتا ہے اور یہ سب مظاہر کلیتہً رہنمائے ذات باری ہیں۔ لیکن یہ رہنمائی بھی اس صورت میں ممکن ہے کہ ادراک صفات کو شعورِ ذات کا وسیلہ متعین کر لیا جائے۔ اگر اس کی بجائے تماشائے صفات مقصود بالذات کی حیثیت اختیار کر لے تو یہی وسیلہ راستے کی رکاوٹ بن کر ذہنی پریشانی کا موجب بن جائے گا۔ یہ ارض و سما۔ نباتات۔ جمادات۔ الغرض تمام کائنات کے نظر افروز مناظر کیا ہیں۔ یہ سب کے سب ذاتِ خداوندی کے پرتو ہی تو ہیں۔ رب العرش العظیم ارشاد فرماتا ہے:۔

وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا (النحل:۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو ان کا احاطہ نہ کر سکو گے۔

تخلیق انسان | بڑے بڑے سائنسدان اور ارباب علم وصلاح جو صدیوں تک سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر فلسفہ کی تعمیر میں کوشاں رہے۔ بڑے بڑے ماہر حیاتیات وارضیات جو تخلیق کے حکیمانہ اقتدار اور مخلوقات کی معقولیت میں غور وفکر کرتے رہے۔ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ کائنات کی تخلیق وقیام ایک زبردست دیا ضیاتی دماغ سے ہوئی ہے۔ اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ دنیا کے کل کتب خانوں سے زیادہ حکمت کے خزانے انسان کے جسم کی ساخت اور عمل وانثر میں پوشیدہ ہیں۔

انسان کا ظہور کون ومکان کی تخلیق کا نقطۂ عروج ہی نہیں بلکہ منتہائے مقصود بھی ہے جب ہی اس کو خلیفۃ الارض قرار دیا گیا۔ اور اگر ہم تمام اسباب علل کو سامنے رکھ کر انسان کو الطاف ایزدی کا مظہر کہیں تو بیجا نہیں ہوگا جس نے انسان کو ماورائے عقل ہونے کا دعوٰی دار بنا دیا ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کی خلقت روحانی اور جسمانی اعتبار سے احسن تقویم سے ہوئی۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین ۴) انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اعلیٰ درجہ کا جسم عطا فرمایا گیا۔ جو کسی دوسری جاندار مخلوق کو نہیں دیا۔ اسے فکر و فہم علم وعقل کی وہ بلند پایاں قابلیتیں بخشیں جو کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوئی۔

انسان اپنی زندگی مادی عناصر سے شروع کرتا ہے اور پھر درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حواس وعقل سے نوازا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ اس قادر مطلق کی قدرت وحکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

"ہم نے انسان کو کھنکھناتی مٹی کے گارے سے پیدا کیا (الحجر:۲۶)

قدیم یونانی اطباء وحکما کا خیال تھا کہ انسانی جسم چار عناصر مٹی۔ پانی، آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔ عربوں نے بھی اس معاملے میں یونانی حکما کی اتباع کی اور انہی چار عناصر کو بنیادی حیثیت قرار دیا۔ اٹھارھویں صدی تک کے آخری نصف تک یورپی سائنس دانوں نے مٹی اور پانی کو مرکب ثابت کر کے مادے کے آکسیجن ہائیڈروجن۔ نائٹروجن جیسے تقریباً اسی عناصر کی تفصیل بتا دی۔ انسانی جسم کے تجزیہ سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ انہی عناصر میں سے ایک محدود تعداد جسم میں موجود ہے۔ جن میں سے خاص خاص عنصر نائٹروجن۔ آکسیجن۔ کاربن۔ ہائیڈروجن۔ کیلشیم۔ گندھک اور فاسفورس ہیں۔ ان کے علاوہ آئرن۔ میگنیز۔ زنک کوبالٹ اور کاپر وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مذکورہ عناصر انسانی جسم میں ایسے سادہ اور خالص شکل میں دستیاب نہیں ہوتے بلکہ غذا کے دوران انہضام میں جسم کے اندر کیمیائی طریقے سے سادہ اجزا توڑ دی جاتی ہیں۔ اور پھر ان سادہ اجزا کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور اکٹھا

کیا جاتا ہے۔ اور اکٹھا کر کے جسم و بدن بنا دیا جاتا ہے۔ گویا ایک ایسا فعل بروئے کار لایا جاتا ہے جسے تجمع کا فعل کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب کاربن ڈائی اکسائڈ دھوئیں اور بوریا کی راکھ میں تبدیل ہوجاتی ہے تو توانائی پیدا ہوتی ہے۔ جسے عمل تفرق کہتے ہیں یہی شکست وریخت کے عوامل ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ اور یہی تفریق حقیقت میں زندگی کا دوسرا نام ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب　　　موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

__تولید انسان__ | راقم الحروف نے اپنے پیشہ ورانہ تعلیمی، علمی اور تدریسی زمانہ میں انسان کی ہیئت کو ہر شکل میں دیکھا۔ نطفہ کی اس بوند کو دیکھا جس کا ذکر رب جلیل نے متعدد جگہ قرآن پاک میں فرمایا۔ اس بوند کو خوردبین میں تحقیق کیا۔ اور رب العالمین کے اس شاہکار اسپرمے ٹوزا (کیڑا جس سے انسان تخلیق ہوتا ہے) کو دیکھا جو کروڑوں کی تعداد میں اس بوند میں موجود ہوتے ہیں۔ رحم مادر کو باہر اور اندر سے بخوبی دیکھا۔ اس اندھیر کوٹھڑی میں جھانک کر ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ جہاں آسمانوں پر کمندیں ڈالنے والا انسان تقریباً ۲۸۰ دن قیام کرتا ہے۔ اس پُرپیچ راستہ کو دیکھا جو اس اندھیری کوٹھڑی سے سورج کی روشنی میں کھلتا ہے۔ جس راستہ کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے آسان کیا۔ کیونکہ مادر رحم سے باہر تک کا راستہ انتہائی تنگ ہوتا ہے اور صرف بچے کی ولادت کے بحکم ربی اس قدر کشادہ ہو جاتا ہے کہ بچے کا اخراج بآسانی ہو جاتا ہے۔ مادر رحم میں میں نے انسان کو ایک گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں بھی دیکھا۔ پھر اس کو اس کیفیت میں بھی دیکھا جس کا ذکر اس غفور الرحیم نے اس طرح کیا کہ پہلے تمہیں گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا۔ پھر اس کی صورت بنائی۔ فی الفور مجھے یاد آیا کہ ارشاد ربانی ہے۔

"ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اس کو سننے اور دیکھنے والا بنایا" (الدہر: ۲)

یہاں میری قوت ورطۂ حیرت میں غرق ہو گئی اور اس عظیم احسن الخالقین کی قدرت کاملہ کے بارے میں میری نطق صرف یہ کہہ سکی بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ (کیوں نہیں؟ میں اس پر گواہی دینے والا ہوں)

قرآن نے ربوبیت کے مظاہر اعمال کے استدلال کے ساتھ ساتھ کائنات وخلقت کے افادہ وفیضان۔ زینت وجمال۔ موزونیت واعتدال کے حقائق کی راہنمائی بھی کی ہے۔ جس کے لئے فرمان الٰہی ہے کہ

"بلاشبہ اس میں بہت بڑی بصیرت ہے۔ اس کے لئے جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو اور جس کے سر میں سننے والا کان ہو" (ق: ۳۷)

__دماغ__ | دماغ انسانی کو کئی اعتبار سے تفوق حاصل ہے۔ اسے گنجینۂ اسرار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی

دماغ نفس امارہ و لوامہ کے درمیان فیصلہ کن راہیں دکھاتا ہے۔ اور ان کے درمیان ہم آہنگیوں کا ذمہ دار ہے قدرت کا یہ شاندار آلہ اپنے بنیادی حیاتیاتی کردار کی بدولت ہمیں خارجی دنیا کے متوقع حادثات میں متوازن رکھتا ہے۔ جسمانی تند و تیز لامتناہی کیمیاوی اور احساساتی تبدیلیوں کے ماحول میں بھی اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری بھی دماغ پر عائد ہوتی ہے۔ دماغ ہمارے ارادی افعال۔ عضلات کی حرکات و سکنات اور دیگر اعضا مثلاً دل۔ پھیپھڑے۔ جگر۔ معدہ گردے اور غدودوں وغیرہ کے کاموں میں ربط و ضبط۔ انضمام و انصرام اور اشتراک عمل پیدا کرتا ہے۔

آئیے آپ کو دماغ کی سیر کرائیں۔ اس کا وزن تقریباً ایک کلوگرام ہوتا ہے۔ یہ متعدد جھلیوں میں بند انسان کی کھوپڑی میں بحفاظت رکھا ہوتا ہے۔ لیکن خدائے ذوالجلال کے شاہکار عصبی نظام کے ذریعہ سے اس کا رابطہ جسم کے ایک ایک خلیہ سے ہوتا ہے۔ دماغی مادہ نہایت چھوٹے چھوٹے عصبیوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں نیورونز کہتے ہیں۔ ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق تیرہ ارب پچاس کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے کارکردگی کے لحاظ سے نیورون اطلاعات کی وصول یابی اور روانگی کے مرکز ہوتے ہیں۔ جہاں سے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں استفسارات کی معلومات بہم کی جاتی ہے۔ دماغ کے بالائی حصہ میں خود کار افعال انجام پاتے مثلاً نظام انہضام تنفس اور دوران خون کی کارکردگی اس حصہ کے ماتحت ہوتی ہے یہی وہ وجہ ہے کہ اس کو ارتقا پذیر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی حصہ انسان اور حیوان میں تفریق پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے اندر بدن کے مختلف حصوں مثلاً ٹانگوں۔ ہاتھوں بازوؤں حتیٰ کہ ایک ایک پور کے مختلف مراکز کے علاوہ سونگھنے۔ چکھنے دیکھنے۔ سننے۔ سوچنے کے مراکز موجود ہوتے ہیں۔ اور یہاں سے ہی جسم کے تمام حصوں کے مختلف النوع کاموں پر کنٹرول ہوتا ہے جسم کے وسیع و عریض مواصلاتی نظام میں اربوں عصبے انتہائی برق رفتاری سے ہر لمحہ اپنے مخصوص مراکز کی معرفت کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ کنپٹیوں کے قریب دماغ میں یادداشت کا ایک مرکز ہوتا ہے۔ مرگی اور دوسرے امراض میں یہ مرکز اثر انداز ہوتا ہے جس سے گذشتہ واقعات کی یادداشت اثر انداز ہو جاتی ہے۔ پچھلے حصہ میں بصارت کا مرکز ہے۔ اسی طرح سماعت کا مرکز ہے۔ اکثر اوقات بالاتر دماغ کی صلاحیتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

دماغی کام کرنے کی سکت۔ اوصاف اور خصوصیات کم ہونے لگتی ہیں۔ یہ علامات دماغ کی شریانیں سکڑنے کی بیماری یا درازی عمر کی وجوہات کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔

دماغ کی نچلی سطح پر ایک گول مٹول مٹر کے دانے کے برابر ایک محیر العقل غدود ہوتا ہے جو بحفاظت ایک غلاف میں محفوظ نظر آتا ہے۔ اس غدود کو پی ٹوی ٹری کہتے ہیں۔ یہ عجائبات قدرت الٰہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انسان کے

جسم میں تمام غدودوں سے نسبتاً سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ جوہر پنہاں کر رکھے ہیں جن سے انسانی ہیئت اور انسانی جسم کی تمام نشو ونما کا کنٹرول اسی غدود کی کارکردگی کا محتاج ہے۔ اس غدود کا فعل ناقص ہو تو آدمی کا قد بہت چھوٹا رہ جاتا ہے۔ عموماً ڈھائی تین فٹ تک بڑھ سکتا ہے اور بتدریج نشو ونما رک جاتی ہے۔ جسمانی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ انسان ذہنی طور پر بھی انحطاطی رد عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ غدود بڑھ جائے تو اس کی کارکردگی انسانی جسم میں ایک تغیرِ عظیم کا موجب بن جاتی ہے۔ انسان ایک عظیم الجثہ شخصیت اختیار کر لیتا ہے۔ قد سات آٹھ فٹ تک بڑھ جاتا ہے۔ بازو اور ٹانگوں میں کوئی تناسب نہیں رہ جاتا چہرہ لمبوترا اور دھڑ بے ڈول ہو جاتا ہے۔ دودھ پیدا کرنے پر اور فعل توالد پر بھی اس کا اثر حیرت کن انداز میں ہوتا ہے۔ غدود کے پچھلے حصہ کی رطوبت دوران خون میں شامل ہو کر بے قنات غدودوں کے رس میں شامل ہو کر بلڈ پریشر اور آنتوں کی حرکت کو درست حالت میں رکھتی ہیں۔ مزید برآں اس کی رطوبتیں دوسرے غدودوں کی کارکردگی کو کنٹرول کرتی ہیں۔ اس غدود کو اس لحاظ سے جسم کے تمام غدودوں کا بینڈ ماسٹر بھی کہتے ہیں

زبان | زبان کو اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو دی ہے۔ مگر انسان کو اشرف بنانے کے لئے رب العالمین کی نوازش ہے کہ ہمیں گویائی عطا فرمائی۔ زبان کا ذکر سورۃ البلد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے انسان کو زبان عطا کی ہے۔ مگر یہ صرف بولنے کا آلہ نہیں ہے۔ بولنے والی زبانیں تو چرند پرند ہر ایک کو مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ مگر انسان کے لئے یہ نفس ناطقہ ہے۔ جو کہ اظہار ما فی الضمیر کے لئے ہے جس سے انسان کو دیگر مخلوق پر فوقیت حاصل ہے۔ سورت الرحمان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے علمہ البیان اس نے بولنا سکھایا یعنی ہمارا بولنا اس رب کریم کا فیض بے بہا ہے۔ اس قوتِ گویائی کے علاوہ اس رب رحیم نے زبان میں کس قدر خوبیاں عطا فرمائیں آیئے دیکھیں عطیہ زبان میں کیا اسرار مضمر ہیں۔

زبان کی بناوٹ کلیتہً عضلاتی بافتوں کی مرہونِ منت ہے اسی لئے ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق جس سمت چاہیں گھما پھرا سکتے ہیں۔ زبان کی اوپر کی تہہ لعاب دار جھلی کی بنی ہوتی ہے۔ اس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے ابھار ہوتے ہیں جن کی تعداد کئی لاکھ ہوتی ہے۔ انہیں ذائقہ کا ابھار کہتے ہیں۔ ان تمام ابھاروں کے جوف میں خلیوں کے ایسے مجموعے ہوتے ہیں جو ذائقے کی حس رکھتے ہیں۔ مختلف ذائقوں کے شگوفہ ہوتے ہیں۔ کوئی چیز اگر سیال حالت میں نہ ہو تو ذائقہ کے شگوفے متاثر نہیں ہوتے۔ اگر وہ چیز پہلے ہی سیال حالت میں نہ ہو تو لعاب دہن اسے محلول بنا دیتی ہے۔ اگر زبان پر لعاب بالکل صاف کر دیا جائے اور زبان پر نمک یا شکر رکھ دی جائے تو وہ کوئی ذائقہ پیدا نہیں کرے گی۔ اگرچہ کھانے سینکڑوں اقسام کے ہوتے ہیں اور ہر کھانے کا ذائقہ انفرادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ لیکن بنیادی ذائقے صرف چار ہیں۔ میٹھا۔ نمکین۔ کڑوا اور کھٹا۔ ان ذائقوں میں میٹھے اور نمکین ذائقوں

کو زبان کا سرا بہت اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔ کڑوا ذائقہ زبان کے پچھلے سرے میں محسوس ہوتا ہے اور کھٹے ذائقہ کی حس صرف زبان کے کنارے محسوس کرتے ہیں۔ یہ بھی نیرنگی قدرت ہے کہ ذائقے کی حس کا سونگھنے کی حس سے بہت قریبی تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بدذائقہ دوا مثلاً کسٹر آئل وغیرہ پینی پڑ جائے تو ناک بند کر کے پی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زکام نزلہ میں کھانوں کے ذائقے محسوس نہیں ہوتے اور لذت کم ہو جاتی ہے مثلاً ہم کو اعلیٰ درجے کی بریانی پیش کی جاتی ہے اس کا ہم جو اچھا ذائقہ محسوس کرتے ہیں وہ دراصل اس کی اچھی خوشبو ہوتی ہے۔ جو معمولی ذائقہ کے باوجود اپنا مخصوص اثر پیدا کرتی ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ صرف چار انچ کے اس گوشت کے لوتھڑے میں اس قدر خوبیاں علاوہ اس خالق کائنات کے کوئی اور پیدا کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔

آنکھ: ذرا غور تو فرمائیے مدبر کائنات کی حکمت عملیوں پر کہ حیات کی نمو میں آنکھ کی تخلیق۔ پھر اس میں بصارت و مناسبت اور مطابقت و موضوعیت کا بے پایاں کمال جس کی تحسین نطق انسانی دینے سے قاصر ہے۔ ایک لمحہ کے لئے تصور فرمائیں۔ کہ اگر آنکھیں دو کی جگہ ایک ہوتی یا اپنی موجودہ جگہ کے بدلے سینہ یا پشت پر ہوتی تو انسان کی ہیئت کیا ہوتی۔ اس کے لئے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (یعنی ہم نے جتنی چیزیں پیدا کیں ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیں۔

اب میں آپ کو اسی پیرایۂ مصلحت عطیہ ربانی کی سیر کراتا ہوں۔

آنکھ عجائبات قدرت الٰہی کا ایک عظیم عطیہ ہے جس کی حفاظت کے لئے قدرت نے سر کی ہڈیوں میں ایک جوف بنایا ہے۔ جسے خانہ چشم کہتے ہیں۔ اس خانہ کے اطراف کی ہڈیاں سوائے سامنے کے رخ کے ہر طرف سے آنکھ کی حفاظت کرتی ہیں۔ سامنے کے رخ آنکھ کی حفاظت پپوٹے کرتے ہیں۔ ان پپوٹوں کے اندر بے شمار غدود ہوتے ہیں جن سے لعاب دار رطوبت خارج ہوتی رہتی ہے۔ یہ رطوبت آنکھ کی سطح کو چکنا رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے آنکھ بآسانی حرکت کرتی رہتی ہے۔ ان پپوٹوں کے سروں پر لمبے بال ہوتے ہیں جنہیں پلکیں کہتے ہیں۔ یہ پلکیں آنکھوں کو ٹھوس و رقیق ہر قسم کے بیرونی مادوں سے بچاتی ہیں۔

آنکھ میں چھ عضلات ہوتے ہیں جن کی مدد سے آنکھ کو ہم ہر جانب اپنی مرضی سے گھماتے ہیں۔ آنکھ کا دماغ کے ساتھ تعلق ایک عصب کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسے عصب باصرہ کہتے ہیں۔ آنکھ کے کئی بیرونی پردے ہوتے ہیں جن کے علاوہ ایک سب سے اندرونی پردہ ہوتا ہے جسے پردہ شبکیہ یا (ریٹینا) کہتے ہیں۔ یہ پردہ عصب باصرہ کے آخری سرے پر واقع ہے۔ شبکیے کی تمام سطح یکساں طور پر روشنی کا اثر قبول نہیں کرتی۔ آنکھ میں بیرونی پردوں کے درمیان ایک شیشہ (لینس) ہوتا ہے یہ ایک شفاف جھلی میں ملفوف ہوتا ہے۔ شیشہ ساخت کے لحاظ سے محدب ہوتا ہے۔ شیشہ کے باہر کے پردے شیشہ کی موٹائی کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں

ہیں جس کی وجہ سے اس کا طول ماسکہ علی الترتیب کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ اس عمل کو تطبیق کہتے ہیں جس کی وجہ سے ہم دور و نزدیک کے فاصلوں سے چیزوں کو صاف فوکس میں لاکر دیکھ سکتے ہیں جب روشنی شیشہ میں سے گذرتی ہے تو وہ انعطاف سے ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے۔ اور پردہ بصارت پر اس چیز کی تصویر نمایاں ہو جاتی ہے۔ جہاں سے عصب باصرہ کے ذریعہ یہ دماغ میں احساس بینائی پیدا کرتی ہے۔ پردہ چشم پر جو عکس بھی پڑتے ہیں۔ وہ سیکنڈ کے آٹھویں حصہ تک قائم رہتے ہیں اور آنکھوں کے تادیر بینائی کے تاثر کو قائم رکھنے کے اصول پر سینما کی طرح تصویریں بلتی رہتی ہیں۔

آنکھیں تو گدھے، گھوڑے کو بھی عطا کی گئی ہیں مگر انسان کی آنکھ اس کائنات کو دیکھ کر اور فکر و فہم، علم و عقل کی وہ بلندیاں قابلیتیں جو کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوتیں انہیں بروئے کار لاکر کسی بالاتر مقتدر ہستی کو تسلیم کرے جس کے لئے قرآن فرماتا ہے۔ فی انفسکم افلا تبصرون۔ یعنی اور خود تمہارے وجود میں بھی۔ پھر کیا تم دیکھتے نہیں ؟) تو ایسے کو تو کور چشم ہی کہا جا سکتا ہے۔ آنکھ کا ذکر قرآن پاک میں عقل و فہم و ادراک کی پیش بینی۔ گمراہی و ضلالت سے فرار اور امر بالمعروف کے لئے کیا گیا ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ مانیں یا نہ مانیں الم نجعل لہ عینین (البلد ۱۰) بھلا ہم نے انہیں دو آنکھیں نہیں دیں۔ ایسے ہی ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار (ملک ۲۳) کہہ دو وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں بنائیں۔

دل یوں تو جسم کا ہر خلیہ عظمت تخلیق کا مظہر ہے مگر دل کی کارفرمائی کل جسم کی شیرازہ بندی اور زندگی کا ظہور اپنے عمل و تدبیر سے خاص سے قائم رکھنے پر قادر ہے۔ اور خالق عظیم کے حکیمانہ علم سے ایک وقت معینہ تک مصروف کار رہتا ہے۔ انسانی جستجو و تلاش بسیار غور و خوض اس کی ساخت و عمل کی نقل اتارنے سے قاصر ہے۔

دل کہنے کو تو ایک قسم کا پمپ ہے جس کا کام الفاظ میں تو بہت معمولی نوعیت کا ہے یعنی ایک طرف سے خون لے کر دوسرے راستے سے جسم کے مختلف حصوں میں روانہ کر دینا۔ مگر یہ ایک ایسا عجوبہ تخلیق ہے کہ آج تک کوئی مشین اس مختص سائز میں یہ کام نہ کر سکی اور نہ کر سکے گی۔ یہ پھیپھڑوں کے درمیان واقع ہے اور ایک مخروطی شکل کا کھوکھلا عضو ہے۔ ایک دو تہوں والی جھلی کے تھیلے میں ملفوف ہوتا ہے۔ یہ غلاف رطوبت سے بھرا ہوتا ہے اس میں بیک وقت ۱۴۰ مکعب سینٹی میٹر خون سما سکتا ہے۔ دل میں صرف چار خانے ہوتے ہیں دل کے خانوں میں خون کی آمد و رفت کے لئے دائیں اور بائیں حصوں کے درمیان بھی سوراخ ہوتے ہیں۔ ان سوراخوں کے درمیان ایسے والو لگے ہوتے ہیں جو خون کی یک طرفہ آمد و رفت کا انصرام کرتے ہیں۔ یہ مظاہر زبانی دیکھ کر دل میں

خیال آتا ہے کہ دل ہی ان خواہشاتِ نفسانی کی آماجگاہ ہے جہاں اخلاقیات مثلاً دیانت۔ امانت۔ شرافت و شائستگی۔ انصاف و رحم۔ محبت و ہمدردی۔ جیسے فضائل اور بد معاش و سفلہ پن۔ ظلم و ستم۔ شرک و الحاد۔ گمراہی و ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں چلنے کے منصوبے بنتے ہیں۔ مگر عالم محسوسات میں ہمیں نظر نہیں آتے جیسے فرمان عزوجل ہے لا تدرکہ الابصار۔ اس کو نہیں پا سکتیں آنکھیں۔ (الانعام ۱۰۴)

دورانِ خون کی ابتدا میں شریانوں کے ذریعہ ناخالص خون پھیپھڑوں میں داخل ہوتا ہے۔ اور وہاں وہ گردش کرتا ہوا پھیپھڑوں میں عروق شعریہ کے درمیان سے جب گذرتا ہے تو سانس کے ساتھ وہاں آئی ہوئی آکسیجن کے ذریعہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ مصفا خون پھر ایک ورید کے ذریعہ دل میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں سے شریانِ اعظم کی شاخوں کے ذریعہ جسم کے تمام حصوں میں جا پہنچتا ہے۔ شریانیں شاخدار شاخوں میں تبدیل ہو کر بہت باریک شریانوں میں منقسم ہو جاتی ہیں۔ جنہیں شریانکیں کہتے ہیں۔ یہ شریانکیں مزید تقسیم ہو کر بے شمار بال سے باریک ایسی نالیوں میں بٹ جاتی ہیں جنہیں عروق شعریہ کہتے ہیں۔ عروق شعریہ اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ ہم انہیں خوردبین کے علاوہ قطعاً نہیں دیکھ سکتے۔ انہیں عروق شعریہ کے ذریعہ جسمانی بافتوں اور خون کے درمیان غذائی مادوں اور گیسوں کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ اس تبادلے کے بعد عروق شعریہ کے ذریعہ جسمانی بافتوں اور خون کے درمیان غذائی مادوں اور گیسوں کا باہمی ہوتا ہے۔ اس تبادلہ کے بعد عروق شعریہ آپس میں مل کر پھر ذرا بڑی نالیوں میں بدل جاتی ہیں جنہیں ورید کہتے ہیں۔ یہ وریدیں مل کر بڑی نالیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اور آخر میں تمام وریدیں دو بڑی وریدوں میں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں بالائی اور زیریں ورید اعظم میں کھلتی ہیں۔ جہاں سے یہ استعمال شدہ گندہ خون پھیپھڑوں میں لے جا کر نظام دورانِ خون قائم رکھتی ہے۔ اگر تمام خون کی نالیوں کو ایک لمبائی میں رکھا جائے اور ان پر سفر کیا جائے تو آپ بآسانی ملتان سے بہاولپور پہنچ سکتے ہیں۔

نبض کی حرکت دل کی دھڑکن کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک منٹ میں دل اوسطاً ۷۲ مرتبہ دھڑکتا ہے مگر جسمانی مشقت اور بخار میں دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے۔ اسی واسطے نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ دل اور نبض کی رفتار میں گردشِ خون اور خون کے بہت سے افکار کارفرما ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے لگے ہاتھوں آپ کو خون کے بارے میں کچھ بتا دینا بھی ضروری ہے۔

خون تخلیق کائنات کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ یہ جسم کے وزن کا تقریباً بارہواں حصہ ہوتا ہے۔ اگر خون کے قطرہ کو خوردبین سے دیکھیں تو لاتعداد گول گول جسمیے بے رنگ سیال میں تیرتے نظر آئیں گے۔ یہ جسیمے سرخ و سپید رنگ کے ہوتے ہیں۔ خون کے ایک قطرہ میں تقریباً ۵۰ لاکھ سے زائد سرخ جسیمے ہوتے ہیں۔ ان کا کام جسم کو

طاقت پہنچانا اور آکسیجن کو جذب کر کے جسم کے تمام حصوں کو فراہم کرنا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے جسم میں توانائی آجاتی ہے۔

آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ کسی حادثہ میں خون کی کثیر مقدار کے ضائع ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے حقیقت میں انہی سرخ ذرات کی کمیابی ہو جاتی ہے جس میں توانائی اس حد تک کم ہو جاتی ہے کہ موت ناگزیر ہو جاتی ہے۔

سفید جسیمے دراصل ایک قسم کی خون کی پولیس ہوتی ہے۔ یہ بیماریوں کے جراثیم اور دیگر زہریلے مادوں کو کھا کر برباد کر دیتی ہے۔ اگر ہم کوئی بیرونی مادہ یا جرثومہ خون میں داخل کر دیں اور خون کی ایک بوند کو خوردبین میں دیکھیں تو ایک محیر العقل منظر نظر آئے گا۔ بیرونی مادہ یا جرثومہ کو ہزاروں کی تعداد میں سفید جسیمے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور اس کو کھا جاتے ہیں۔ اگر سفید جسیمے مزید ضرورت ہوں تو اپنی دفاع کے لئے موقع محل کے لحاظ سے سفید جسیمے تعداد میں بڑھنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی بیماری کے دوران سفید جسیموں کی تعداد بڑھ جاتی ہے خون میں جسم کی تمام فاسد رطوبتیں جمع ہوتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے ہی خون کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اسی کے لئے فرمان ہے :-

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ (البقرہ ۱۷۳) بیشک اس نے تم پر مردہ اور خون حرام کیا۔

گردے دیکھنے میں تو گردے ایک حقیر سی چیز معلوم ہوتے ہیں۔ مگر قادرِ مطلق علیم و حکیم کی صناعی کا لافانی شاہکار ہیں۔ ان کی کارکردگی مظاہر رب کریم کے کمالات و عجائبات میں سرفہرست ہے۔ گو آج کل انسان نے بکمال تحقیق مصنوعی گردہ بنانے میں قدرے سرخروئی حاصل کر لی ہے۔ مگر اگر کسی نے اس مصنوعی گردہ کو کبھی دیکھا ہو تو اندازہ کر سکے گا کہ ایک پندرہ مربع فٹ کے مصنوعی گردہ اور چار مربع انچ کے گردہ میں نہ صرف سائز میں فرق ہے۔ بلکہ مصنوعی گردہ کی چند وقتی کارکردگی کے مقابلہ میں سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے۔

بہرحال گردوں کی جوڑی جوف شکم کے اندر ریڑھ کی ہڈی کے دائیں بائیں ہوتی ہے۔ اگر گردے کو لمبائی میں چیر کر دیکھا جائے تو اس کے اندر دو تہیں نظر آتی ہیں۔ بیرونی تہہ کو کارٹیکس اور اندرونی تہہ کو میڈولا کہتے ہیں میڈولا سے مثانہ تک ایک لمبی پتلی نالی پیشاب لے جانے کے کام آتی ہے۔ کارٹیکس کے درمیان خالی جگہیں نظر آتی ہیں۔ ان خالی جگہوں میں مخروطی سطحیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی مخروط کو کاٹا جائے تو اس میں بے شمار خمیدہ نالیاں نظر آتی ہیں۔ ان کا خاص وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ خون سے بے کار مادے جذب کر کے انہیں خالی جگہوں میں جہاں مخروط ہوتے ہیں لا ڈالتی ہیں۔ یہ نالیاں گردے کی بیرونی سطحوں کے قریب آکر پھیل جاتی ہیں اور رگوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اور یہاں عروق شعریہ کے گچھے بنا لیتی ہیں۔ یہ گچھے گردوں کی مشینری کی بنیادی اکائی ہوتی ہے

آپکو بہترین معیار کی جستجو ہے تو آپکا موزوں ترین

انتخاب بے مثال لِنن اور انمول پاپلین

'بے مثال' لِنن اور 'انمول' پاپلین' دیدہ زیب' دیرپا' اعلیٰ معیار اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں۔

- پولی ایسٹر اور ریان سے تیار شدہ
- سُکڑنے سے محفوظ (Evaset)
- مرسرائزڈ' آب و تاب
- شکنوں سے مبرّا
- واش این ویئر (دھلائی آسان' استری سے بے نیاز)
- دیرپا فنش
- ہر گز پر تیار کنندگان کی مہر

آپکے ذوق کیلئے۔ آپ کی زیبائش کیلئے

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

فیلے ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ' کراچی۔

فون: ۲۳۱۵۲۳ - ۲۳۳۰۵۸ - ۲۳۹۹۶۷

MFTM - 6 - 75

ASIATIC
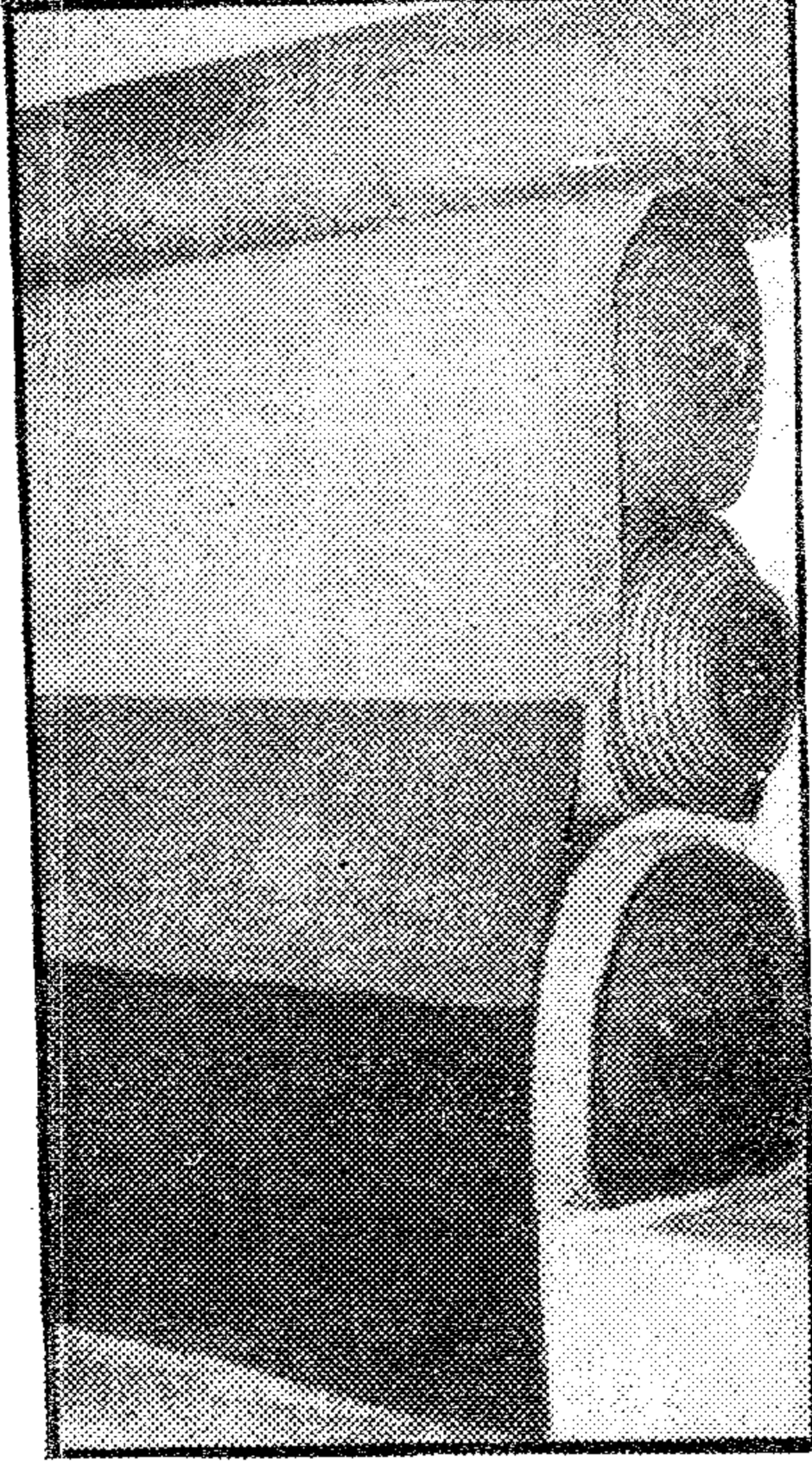
اچھّا قالین
خوشی اور
اطمینان کی
ضمانت !
سادہ وِلٹن قالین
قائدآباد وُولن ملز لمیٹڈ کے بنے ہوئے سادے وِلٹن قالین
دیرپا، نرم اور آرام دہ ہوتے ہیں —
— پکّے اور خوشنما رنگوں میں دستیاب —
باذوق گھرانوں، دفتروں، اعلیٰ ہوٹلوں سب جگہ حد
درجہ مقبول۔ قیمت کے لحاظ سے یہ مشین سے بُنے ہوئے
قالین بے مثال ہیں۔
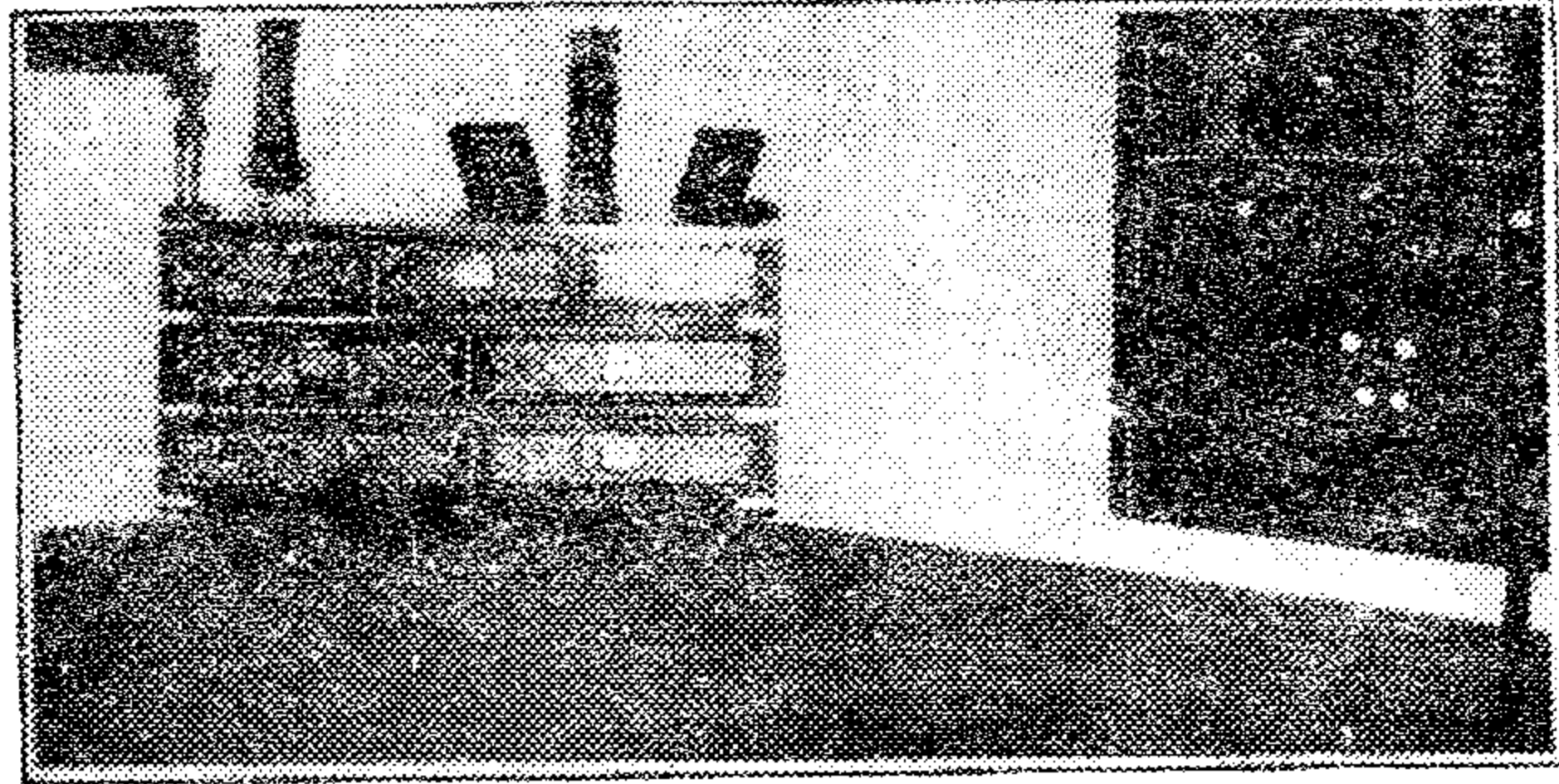
STATE
ENTERPRISE
قائدآباد وُولن ملز لمیٹڈ
پی۔آئی۔ڈی۔سی کا ایک اِدارہ
ADGROUP

از مولانا محمد انیس الرحمٰن قاسمی

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ردِ مسیحیت

چھٹی صدی میں حضرت مسیحؑ کی شریعت بہت نازک مرحلے میں تھی۔ اس کے اندر اتنی قوت نہ تھی کہ وہ زندگی کی زمام سنبھال کر انسانیت کی راہ نمائی کر سکے۔ اس کے اصول و قواعد اور فروع و مسائل پر اوہام و رسومات کے گرد و غبار پڑے ہوئے تھے۔ ۶۱۰ء میں جب فاران کی چوٹیوں سے اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو اس کی کرنوں نے تہہ در تہہ تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو اجاگر کیا۔ اور نبی عربی کی نازل شدہ لاہوتی کتاب نے توریت و انجیل کو محرف بنا کر تثلیث کی تردید کی۔ اور حضرت مسیحؑ کی مقدس زندگی پر پڑے ہوئے صلیب و کفارہ کی آلائشوں کو دور کیا۔ توحید کی دعوت دی اور اقانیم کی تردید کی اور رہبانیت کی جگہ ربانیت کو پیش کیا۔

نبی آخر الزماں کے بعد ان کے مقدس شاگردوں نے اسلام کے نورِ جہاں تاب سے کلیساؤں کو روشن کیا اور تثلیث کے معبدوں کو توحید کی مسجدوں میں بدلا۔ صحابہ کرامؓ کے بعد ان کے جانشینوں نے اس کی کوشش کی۔ چنانچہ اسلام آگے بڑھتا رہا اور عیسائیت پیچھے ہٹتی رہی۔ مگر اس کے بعد دوسری صدی ہجری سے دونوں میں بڑی زبردست کشمکش شروع ہوئی اور بعض مرتبہ اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ توحید کو آگ اور خون کے سمندروں سے گذرنا پڑا۔ یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی نے ہندوستان میں ایک قیامت خیز قدم رکھا اور توحید تثلیث کے گرداب میں آ گئی۔

وہ وقت بڑا نازک، صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا۔ جب انگریز نے اپنی مادی فتح مندیوں کے ساتھ مسلمانوں کے روحانی قلعوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور سیاسی استقرار و استحکام کے لئے ایک مستقل اور ہمہ گیر تحریک ہندوستان کے مختلف شہروں دہلی، آگرہ، پٹنہ، رانچی، گلبرگہ، شولاپور اور حیدرآباد وغیرہ میں شروع کر رکھی تھی جس کے ساتھ عیسائی مبلغوں اور ان کی تقریروں اور کتابوں کا ایک سیلاب تھا جو وحدانیت کو بہا لے جانا چاہتا تھا۔

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان، عیسائیوں کے وعظ سننے اور ان کی کتابوں اور رسالوں کے پڑھنے سے

احتراز کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ ان کی آزاد تقریروں اور تنقیدوں نے بعض ناواقف مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں لے لیا۔ ابتدا میں تو علمائے کرام نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی مگر جب پادریوں نے عام شاہراہوں اور سڑکوں سے گذر کر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر شعلے اگلنے شروع کئے تو علمائے کرام کی ایک جماعت فتنہ کی سنگینی کو محسوس کر کے مقاومت کے لئے کھڑی ہوئی۔ اور قلمی و لسانی، تحریری اور تقریری طریقہ پر ان کی تردید کی۔ ان ربانی علماء کی اس جماعت میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم، مولانا سید آل حسن (م ۱۸۷۶ء) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۹۷ھ، مولانا اشرف الحق صدیقی (م ۱۳۷۵ھ) اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری (م ۱۳۴۶ھ) خاص طور پر پیش پیش تھے۔[1]

ان حضرات نے بالکل بے کسی اور بے سر و سامانی کے باوجود ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی مشنری کا مقابلہ کیا اور ۰۰ کے قریب ان کی رد میں کتابیں لکھیں۔ بلکہ بعض علماء نے تو اپنی زندگی کا مقصد ہی اسی کو بنا کر اپنے ذہن و دماغ اور قلب و روح کی تمام قوتیں اسی میں صرف کر دیں۔ چنانچہ مولانا باقر علی نے خاص طور پر اس کے لئے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جس کی وجہ سے ان کو دار پر بھی چڑھنا پڑا اور اس طرح رگ حیات کا آخری قطرہ بھی انہوں نے گلشنِ توحید کی آبیاری کے لئے پیش کر دیا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بھی ابتدا میں دوسرے علماء کی طرح خاموش تھے یہاں تک کہ آپ کے استاد شاہ عبدالغنی صاحب نے پادری فنڈر کی کتاب "میزان الحق" کی تردید کا اشارہ کیا جس پر آپ نے ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل "ازالۃ الاوہام" کے نام سے ایک کتاب مکمل کی۔ اس تالیف کے بعد جب ۱۸۵۴ء میں آگرہ طباعت کے لئے گئے تو وہاں میزان الحق کے مؤلف پادری فنڈر کی موجودگی کی اطلاع ملی جس نے اپنی کتابوں اور تقریروں کے ذریعہ عوام کے اندر ایک دہشت پیدا کر دی تھی۔ اس لئے آپ نے محسوس کیا کہ اس کا مؤثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فنڈر کے ساتھ مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے تاکہ عوام کے قلوب سے ان کا خوف و رعب دور ہو جائے۔ اور وہ پہچان لیں کہ دلیل حجت کے میدان میں اس کے اندر کتنی سکت ہے۔

اس ارادہ کے ساتھ فنڈر سے ملاقات کر کے مناظرہ کی تجویز رکھی اور ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے اندر دو مشہور مناظرے کئے جس نے ان کی دہشت گردی کو ختم کر دیا۔ یہ مناظرہ جو عام مجمع میں ہوا بہت اہمیت کا حامل تھا اس لئے اس فتح ہوتے ہی علمی دنیا میں عیسائی مبلغوں کی شکست ہو گئی۔

---

[1] فرنگیوں کا جال

مناظرہ کے بعد تین سال تک مسلسل عیسائیت کے خلاف آپ کا قلم چلتا رہا جس میں پادریوں کی مختلف کتابوں کے رد میں سات کتابیں: ۱۔ اعجاز عیسوی ۲۔ بروق لامعہ ۳۔ معدل اعوجاج المیزان ۴۔ تقلیب المطاعن ۵۔ ازالۃ الشکوک ۶۔ احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث اور ۷۔ البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف کے ناموں سے اردو اور فارسی میں لکھیں۔ یہ جہاد جاری تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا۔ اور آپ قلمی و لسانی فتح کے بعد سیفی و سنانی جہاد میں شامل ہو گئے۔[1]

جب ہنگامہ فرو ہوا تو حکومت کی طرف سے دار و گیر کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس میں بہت سے ابطال اسلام کو تختہ دار پر چڑھنا پڑا۔ بعض کو کالے پانی کی تکلیف دہ اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔ اور کچھ لوگ اپنی عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کی خاطر حجاز مقدس چلے گئے۔ حضرت مولانا کا بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوا مگر آپ چھپ چھپا کر حجاز مقدس چلے گئے اور گرفت میں نہ آ سکے۔

یہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان ترکی کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور حکومت نے مسجد حرام میں دینی علوم کی اشاعت کی خاطر حدیث و فقہ اور تفسیر و علم کلام کے مشائخ کو تدریس کی ذمہ داری سپرد کر دی گئی تھی۔ اس وقت شیخ حرم سید احمد دحلان تھے۔ ان سے جب شناسائی ہوئی تو وہ آپ کے تفقہ، جامعیت، وسیع النظری اور علمیت سے کافی متاثر ہوئے اور مسجد حرام کے شیوخ میں آپ کا نام درج کر لیا۔ اور آپ درس دینے لگے۔

یہ تدریسی مشغلہ جاری تھا کہ پادری فنڈر جس کو آپ نے آگرہ کے مناظرہ میں شکست فاش دی تھی، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ ہوتے ہوئے لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی کے حکم سے قسطنطنیہ پہنچا اور سلطان عبدالعزیز خاں سے مل کر یہ عرض کیا کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی۔ سلطان کو دینی امور سے بے حد شغف تھا اس لئے وہ یہ سن کر بہت فکرمند ہوئے۔ اور مکہ کے گورنر شریف عبداللہ بن عون کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حج کے زمانہ میں جو ہندوستان کے باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فنڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے باب خلافت کو مطلع کیا جائے۔ جب یہ فرمان پہنچا تو مولانا مکہ ہی میں تھے۔ اور آپ کے کارناموں سے امیر آگاہ تھا۔ اس لئے امیر نے اس کی اطلاع سلطان کو دی اور اس کے بعد سلطان کی طلب پر ۱۸۶۴ء میں آپ خاص احترام و اکرام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے استنبول پہنچے۔ سلطان نے بڑی گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا اور مناظرے کی روداد سن کر مسرت کا اظہار کیا۔ لیکن جب فنڈر کو اطلاع ملی تو وہ انگلستان چلا گیا اور دوبارہ

---

[1] آثار رحمت

اس ملاقات میں آپ نے سلطان کو چند قیمتی مشورے دئے جس پر انہوں نے ایک فرمان کے ذریعہ تمام ترکی کے مبلغوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جو مرکز خلافت میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ وہیں سلطان اور وزیر اعظم کی خواہش پر آپ نے عربی زبان میں "اظہار الحق" کے نام سے وہ شعلہ بداماں کتاب لکھی جس نے عیسائی دنیا کے در و دیوار کو لرزہ بر اندام کر دیا۔

یوں تو عالم اسلام میں حضرت مولانا سے پہلے ردّ عیسائیت میں بہت سی وقیع اور علمی کتابیں لکھی گئی تھیں اور متقدمین و متاخرین میں سے بعض جلیل القدر شخصیتوں نے اس پر قلم اٹھایا تھا اور مفکرین اسلام میں سب سے پہلے جاحظ (۲۵۵ھ) نے ایک مستقل کتاب الرد علی النصاریٰ کے نام سے لکھی تھی۔ پھر ان کے بعد احمد بن ادریس القرافی (۶۸۴ھ) کی الاجوبۃ الفاخرۃ عبداللہ الترجمان (۸۲۳ھ) کی تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب امام غزالی (۵۰۵ھ) کی الرد الجمیل امام ابو البقا کی تخجیل من حرف التوراۃ و الانجیل، امام قرطبی (۶۱۱ھ) کی الاعلام بما فی دین النصاریٰ من الفساد، ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کی الجواب الصحیح اور ابن قیم کی ہدایۃ الحیاریٰ وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین اور متکلمین نے اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہے۔

مگر ان تمام اعلام اسلام کی کاوشوں کے باوجود انیسویں صدی میں جو سیلاب آیا تھا۔ اس کے مقابلہ کی ان کتابوں میں سکت نہ تھی۔ اس لئے کہ یہ تمام اندوختہ رومن کیتھولک فرقہ کے مقابلہ میں تھا۔ لیکن سولھویں صدی میں جو پروٹسٹنٹ طبقہ پیدا ہوا اور جو ایک نیا نظام ترتیب دے کر رومن کیتھولک کے خلاف آواز بلند کر کے رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا تھا اس کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی نیا ابن تیمیہ اور دوسرا غزالی وجود میں آئے جو تحصیل و تجزیہ اور تحقیق و تدقیق میں متقدمین کی سی ذہانت رکھتا ہو اور جو قدیم و جدید سے آگاہ ہو۔ اور عیسائیوں کے تمام طبقوں اور فرقوں اور ان کے اختلافات و تنازعات اور عیسائیت کی ترقی و ارتقا سے باخبر ہو جسے زبان و بیان اور تحریر و تقریر پر پوری قدرت ہو۔ اللہ نے اس ضرورت کو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ذریعہ مکمل کیا۔

حضرت مولانا کے زمانہ سے پہلے یورپ میں دو ایسے طبقے پیدا ہو گئے تھے جس نے کھل کر تنقید کی تھی۔ پہلا فرقہ تو پروٹسٹنٹ کا تھا جس نے رومن کیتھولک کی ایجاد کردہ بدعتوں اور کلیسا کی بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس فرقہ کا پیشوا لوتھر تھا جس نے سترھویں صدی میں پہلی مرتبہ بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر پادریوں کے ساتھ بائبل پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اور پھر اس کے بعد تنقید کا بند دروازہ کھلا تو کھلتا ہی چلا گیا۔ اور مفکرین کی ایک جماعت نے عقلیت کا نعرہ لگا کر عیسائیت کی تار و پود بکھیر دی بلکہ جب یہ عقلیت کا نشہ چڑھا تو چڑھتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہا یہاں تک کہ وولٹائر (۱۷۷۸) جیسے ملحد بھی پیدا ہوئے جنہوں نے سرے سے خدائی کے وجود ہی میں شک بو دیا

جس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا۔ لیکن ان ملحدین سے جہاں نفسِ مذہب کے تقدس کو نقصان پہنچا وہاں یہ فائدہ ہوا کہ ان نظریات کی غلطی واضح ہوگئی۔ جن پر عرصہ دراز سے کلیسیا نے تقدس کا لبادہ ڈالے ہوئے تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس عقلیت زدہ طبقہ کی کتابوں تک ڈاکٹر وزیر خاں کی مدد سے رسائی حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے پروٹسٹنٹ طبقہ جس سے آپ برسرِ پیکار تھے اس کے مقابلہ کے لئے کافی مواد جدید تحقیقات سے حاصل ہوگیا تھا۔ مولانا نے "اظہار الحق" میں ان ملحدین کے اقوال سے استناد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یورپی ممالک میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جن کو علماء پروٹسٹنٹ، ملحد اور بے دین کہتے ہیں جو نبوت اور الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذہب عیسوی کے پیغمبروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں۔ بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی۔ ان ممالک میں ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں۔ کچھ تھوڑے بہت ان کے اقوال بھی نقل کئے جائیں گے۔ اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم ان کے اقوال کو اچھا سمجھتے ہیں" حاشا و کلا

اس طرح حضرت مولانا کو مسیحیت کے اصلی و نقلی خد و خال پہچاننے میں تین طبقہ نے مدد دی۔ پہلا طبقہ پروٹسٹنٹ کا دوسرے ملحدین و عقلیت پسندوں نے اور تیسرے علماء اسلام نے۔ وہ اپنی کتابوں میں ان تینوں طبقوں سے رجوع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کو مسیحی علم کلام پر عبور حاصل ہوگیا تھا۔ ورنہ مسیحی کلام اسلامی علم کلام سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ اور اس پر اب تک سینکڑوں یورپین دماغوں نے دردسری کی ہے۔ مگر بجائے اس دلدل کے نکلنے کے تثلیث و کفارہ اور عشاء ربانی کی عمیق بحثوں میں الجھتے ہی گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انکارِ خدا تک جا پہنچے اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت بھی نہ تھی۔ ہاں اگر وہ یورپ کے لق و دق زادوں کے بجائے عرب کے ریگستانوں کی طرف قدم بڑھاتے تو فاران کی چوٹیوں سے چمکنے والا آفتاب ضرور ان کی راہنمائی کرتا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق کے ذریعے اسی ریگستان عرب کی طرف راہ نمائی کی ہے یہ کتاب ان کی آخری عمر کی ہے۔ اس میں ان کی عمیق فکر اور مجتہدانہ نظر کی جولانیوں کا ظہور ہے اور وہ دونوں قدیم و جدید سمندروں کے شناور نظر آتے ہیں اس کے لئے انہوں نے عربی۔ فارسی۔ اردو اور انگریزی کی تمام گراں قدر ذخیروں سے استفادہ کیا ہے بخصوصاً مندرجہ ذیل انگریزی کتابوں سے مدد لی ہے۔

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۲۔ انسائیکلو پیڈیا ریس ۳۔ تفسیر بلوان ۴۔ تفسیر ہنری واسکاٹ ۵۔ تفسیر آدم کلارک ۶۔ لارڈنر کی تفسیر ۷۔ ہارسلے کی تفسیر ۸۔ والٹس کی کتاب اسالنۃ الاوہام۔

یہ ان مسیحی مفکرین کی کتابیں ہیں جنہوں نے تمام قدیم و جدید اقوال و آرا کا احاطہ کیا ہے اور اس میں ان

عقلیت پسند طبقہ کی تنقیدات بھی ہیں۔ جنہوں نے عہدِ عتیق وجدید کی تمام کتابوں میں تناقض ثابت کیا ہے فرقہ پروٹسٹنٹ کے علاوہ رومن کیتھولک کی کتابوں مثلاً عہدِ عتیق وجدید کا انگریزی ترجمہ لتامس انیگلس کی کتاب "مراۃ الصدق" وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس طرح حضرت مولانا نے ان تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد جب ردِ عیسائیت پر آخری بار قلم اٹھایا تو وہ شاہکار تصنیف وجود میں آئی جس نے مسیحی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ یہ کتاب اس قدر مبسوط، مدلل، جامع اور مستحکم ہے کہ شاید کسی زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں نکلی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اب تک اس کے پانچ زبانوں ترکی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ گجراتی اور اردو میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلی دفعہ جب اس کا انگریزی ترجمہ لندن پہنچا۔ تو لندن ٹائمز نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی"[۵]

علماء اسلام کے متقدمین میں سے حافظ۔ ابن حزم۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی۔ ابن قیم۔ ابن تیمیہ۔ امام رازی غزالی اور قرطبی وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے ان کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر مولانا کی تصنیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ

کم ترک الاول للآخر

۱۲۸۱ھ کے بعد اب تک علمائے اسلام کی طرف سے عموماً جتنی کتابیں ردِ مسیحیت میں لکھی گئیں۔ تمام مؤلفین نے "اظہار الحق" کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ عربی مؤلفین میں سے شیخ جزیری اور شیخ باجہ جی زادہ نے اپنی کتابوں میں اس سے کافی مدد لی ہے۔ اور ہندوستانی علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے قصص القرآن میں اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے پیغامِ محمدی میں آپ کی کتابوں کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے۔

مگر حضرت مولانا "اظہار الحق" کی تصنیف کے بعد جب بصارت سے محروم ہو گئے اور ارادہ رکھتے تھے کہ کوئی اور دوسری جامع کتاب ردِ عیسائیت میں لکھیں۔ اس لئے کہ اس میں صرف پانچ ہی مسائل تحریف۔ نسخ۔ تثلیث۔ رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن پر عموماً بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند مسائل تھے جن پر بحث اس دور کے مزاج و دماغ کے موافق ضرور تھی۔ لیکن حضرت مولانا کی یہ آخری آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اور وہ بیت اللہ کے جوار میں رب البیت سے جا ملے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً"
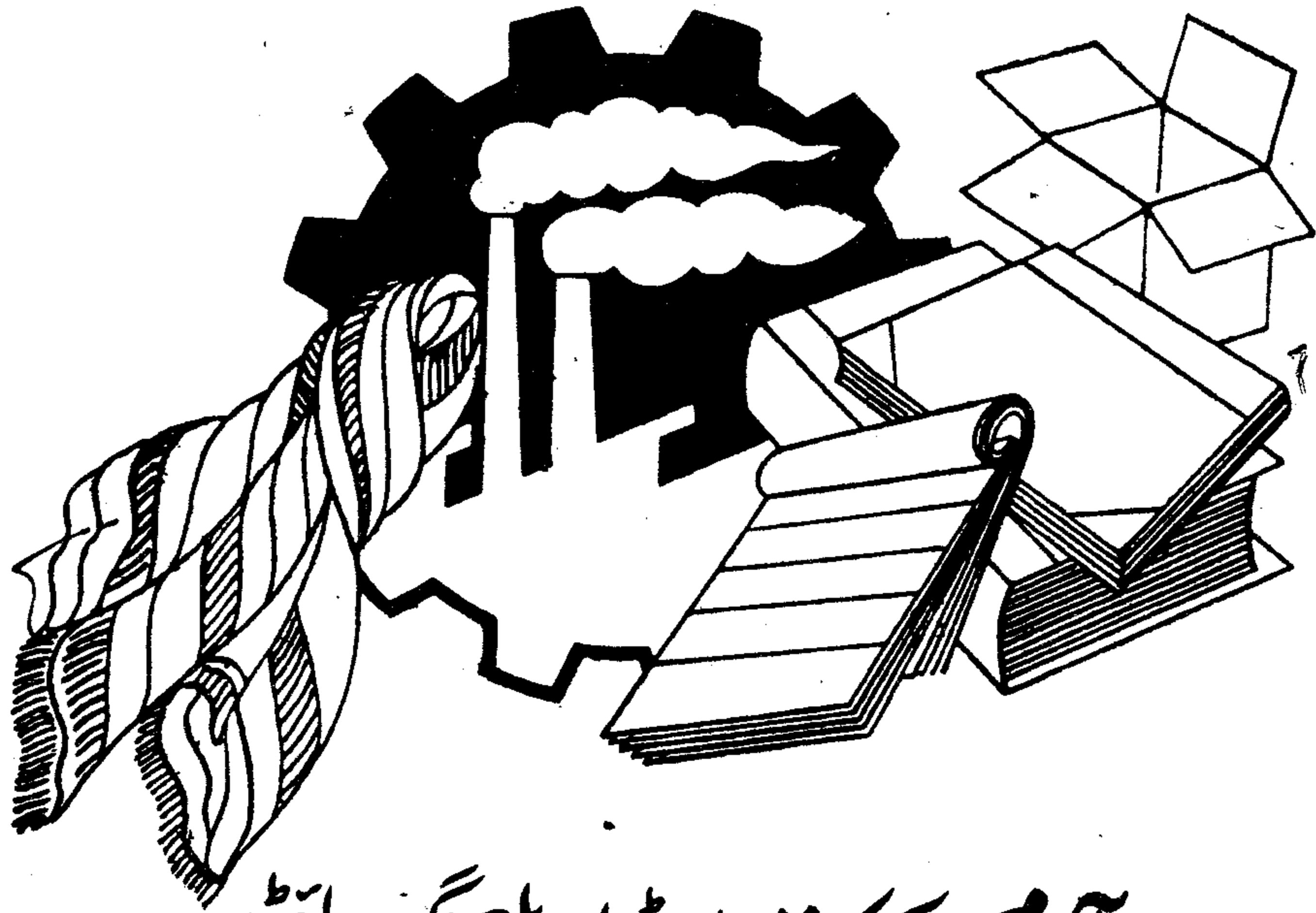
---

[۵] ایک مجاہد معمار ص ۲۶

از مولانا ابوالبیان۔ پشاور یونیورسٹی

علامہ مرتضیٰ الزبیدی

دینی شخصیتوں میں نمایاں حیثیت ایسے حضرات کی ہے جو علم کے مختلف شعبوں پر عبور رکھتے تھے۔ ایسے اصحاب میں سے ایک علامہ مرتضیٰ الزبیدی تھے۔ جو بیک وقت فقیہہ بھی تھے اور محدث بھی۔ نحوی بھی تھے اور اصولی بھی۔ نثر نگار بھی تھے۔ اور شعر بھی کہتے تھے۔ احادیث اور علم الانساب میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور علم لغت کے تو امام تھے۔

ان کا پورا نام محب الدین ابوالفیض محمد بن عبدالرزاق المعروف بہ سید مرتضیٰ الحسینی الزبیدی تھا۔ ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان کے مشہور شہر بلگرام میں پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے بلگرامی بھی کہلاتے۔

بلگرام ہندوستان کے ضلع ہردوئی کا ایک بہت پرانا قصبہ ہے۔ اس شہر نے بہت سی عظیم شخصیتیں پیدا کی ہیں اور دینی شخصیتوں کے اعتبار سے تو یہ قصبہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہ چکا ہے۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے زیادہ تر ذہین اور موسیقی کے بڑے اچھے مبصر ہیں۔

پہلے پہل یہاں کھٹیر آباد تھے جنہیں قنوج کے حملہ آور راجپوتوں نے نکال باہر کیا۔ مغل دور حکومت میں بھی بلگرام قنوج کی سرکار کا ایک پرگنہ تھا۔ ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے دوران ۴۰۹ھ ۱۰۱۸ء میں قاضی محمد یوسف العثمانی المدنی الکازرونی نے اس شہر کو فتح کیا۔ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد مقامی ہندوؤں نے بلگرام کے مسلمان حکمران کو مار بھگایا۔ اور قصبے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں ابوالفرج واسطی کے ایک سربراہ راست جانشین سید محمد صغروی نے ۶۱۴ھ ۱۲۱۷ء میں ایک مضبوط شاہی دستے کے ساتھ بلگرام پر حملہ کیا۔ اور راجہ سری کو شکست دی جس کے نام پر یہ قصبہ سری نگر کہلانے لگا تھا۔ اور اس شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہوا۔ ۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں یہاں ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی فوجوں کے درمیان ایک زبردست معرکہ ہوا۔ جس میں ہمایوں کی فوجوں نے شکست کھائی۔ ۱۰۰۲ھ میں اکبر نے شراب اور دیگر منشیات کی فروخت کو ایک فرمان کے ذریعے ممنوع قرار دیا۔

سادات بلگرام نے جو اپنے حریف عثمانی اور فرشوری شیوخ پر ہر میدان میں سبقت لے گئے تھے۔ تاریخ میں

مصنفین ،علماء، شعرا اور مدبرین کی حیثیت سے ناموری حاصل کی۔ ان میں مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ عبدالواحد بلگرامی، مصنف سبع سنابل۔

۲۔ عبدالجلیل بلگرامی۔ ان کا بیٹا محمد حبس کا تخلص شاعر تھا۔

۳۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ)۔ مصنف۔ خزانہ عامرہ (بہ زبان فارسی) اس میں شعرا فارسی کے حالات تھے

۲۔ سرو آزاد (فارسی) اس میں شعرا فارسی و ہندی کا تذکرہ ہے۔

۳۔ مآثر الکرام (فارسی) علماء اور صوفیاء کے تراجم ہیں۔

ان کے علاوہ قصائد غرا اور سبحۃ المرجان آپ کی تصنیفات ہیں۔

۴۔ امیر حیدر آزاد بلگرامی کے پوتے اور سوانح اکبری کے مصنف ہیں۔

۵۔ سید علی بلگرامی، جنہوں نے مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لی بان کی عالمانہ کتاب کا ترجمہ "تمدن عرب" کیا ہے۔

۶۔ عماد الملک سید حسین بلگرامی کے برادر اکبر۔ یہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنہیں ۱۹۰۷ء میں سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کی کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔　　　دائرہ معارف اسلامیہ ج ۴ ص ۳۴۸

آباؤ اجداد عراق کے مشہور شہر واسط کے رہنے والے تھے۔ آپ نے چونکہ کافی عرصہ زبید (یمن) میں گذارا۔ اس لئے الزبیدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ زبید۔ تہامہ یمن کا ایک شہر ہے۔ یہ اس شاہراہ پر واقع ہے جو یمن کے مرتفع علاقوں اور بحر احمر کے مابین ساحل سمندر سے کوئی میل ہٹ کر مکے سے عدن کو جاتی ہے۔ اس حصے میں چونکہ پانی کی بہم رسانی زیادہ بہتر ہے۔ لہذا ملک کا یہ حصہ کاشت کے لئے موزوں ہے۔

خود زبید شہر کے متصل دو وادیاں (ندیاں) بہتی ہیں۔ یعنی شمال میں وادی رماء اور جنوب میں وادی زبید جس سے اس شہر کا نام ماخوذ ہے۔ اس کا پہلا نام الحبیب تھا۔ تہامہ کے باقی حصوں کے برعکس یہ علاقہ کھجور کے باغوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں تھوڑا بہت اناج، نیل اور مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زبید کی کھالیں بھی مشہور ہیں۔ بیت الفقیہہ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات کے سامنے یہ شہر یا یہ باقی کا بھی اہم مرکز ہے۔ اہل علم و فضل کا گہوارہ اور قدیم تعلیمی مرکز ہے۔　　　دائرہ معارف اسلامیہ ج دہم ص ۴۴۸

آپ مسلکاً حنفی تھے۔ بلکہ حنفی مسلک کے پرزور حامی اور وکیل تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں بلگرام میں حاصل کی۔ اور افضل المتاخرین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور علامہ محمد فاخر بن یحیٰی الہ آبادی المعروف بہ الزائر (م ۱۱۶۴ھ) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

مزید علم حاصل کرنے کے لئے مختلف سفر کئے۔ تقریباً تین سو اساتذہ سے استفادہ کیا جن کے نام برنامجہ میں مذکور ہیں۔ کئی مرتبہ حج کیا۔ جہاں شیخ عبداللہ ابن محمد السندی (م ۱۱۹۴ھ) شیخ عمر ابن احمد بن عقیل المکی اور عبداللہ

السقاف وغیرہ علماء سے ملاقات ہوگئی۔ ۱۱۶۳ھ میں غالباً پہلی مرتبہ آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں پر سید عبدالرحمن العیدروس (م ۱۱۹۲ھ) اور شیخ عبداللہ میر غنی الطائفی (م ۱۲۰۷ھ) سے ملاقات ہوگئی۔ وجیہہ الدین ابوالمراحم سید عبدالرحمن العیدروس سے "مختصر السعد" پڑھا۔ کافی مدت آپ کے ہاں قیام کیا۔ آپ نے علامہ کو خرقہ پہنایا۔ مرویات اور مسموعات کی اجازت بھی دی۔

ایک مرتبہ شیخ نے مصر کے علماء۔ امراء اور ادبا کی ایسی تعریف کی کہ جس سے علامہ کے دل میں مصر جانے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ۹ صفر ۱۱۶۷ھ کو رخت سفر باندھ کر مصر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر "خان الصاغہ" میں اقامت اختیار کی مصر کے علماء میں سے سید علی المقدسی الحنفی پہلے عالم ہیں جن سے آپ نے فیض حاصل کیا۔ نیز اس وقت کے چیدہ چیدہ علماء کے درسی حلقوں میں شرکت کی۔ مثلاً شیخ احمد الملوی (م ۱۱۸۱ھ) احمد بن حسن الجوہری (م ۱۱۸۲ھ) شمس الدین الحنفی (م ۱۱۷۶ھ) محمد بن عمر البلیدی (م ۱۱۷۶ھ) حسن ابن علی مشہور بہ المدابغی (م ۱۱۷۰ھ) وغیرہم اور ان سے اجازت حاصل کی۔ نیز ان سب حضرات نے آپ کے تبحر علمی۔ حاضر دماغی اور فصاحت کا اعتراف کیا۔ عوام و خواص میں خوب شہرت حاصل کی اور جاہ و عزت پیدا کی۔

تین مرتبہ صعید کا سفر کیا۔ وہاں کے علماء کی زیارت کی۔ شیخ العرب ہمام نے آپ کا خوب اکرام کیا۔ دمیاط۔ رشید اور المنصورہ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء اور مشائخ نے بھی خوب آؤ بھگت کی۔ قرب و جوار کے جتنے علماء اور اہل سلوک تھے ان کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ قبیلہ اور بحریہ کے علاقوں کا سفر کیا۔ اور ان اسفار کے متعلق کچھ سفرنامے لکھے۔ جو نظم و نثر میں لطائف۔ محاورات اور مدائح پر مشتمل ہیں۔

۱۱۸۹ھ کے اوائل میں قاہرہ کے علاقہ سویقۃ اللالا میں سکونت اختیار کی۔ وہاں کے علماء نے خوب اکرام کیا۔ ہدیے اور نذرانے پیش کئے۔ یہاں پر آپ نے وعظ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بہت جلد اس علاقے میں آپ کا چرچا شروع ہونے لگا۔ چاروں طرف سے عوام اور خواص آپ کی زیارت کے لئے آنے شروع ہوئے۔ چونکہ آپ پردیسی تھے اور وضع قطع مصری علماء کا نہیں تھا۔ نیز ترکی۔ فارسی اور گرجی زبان بھی جانتے تھے اس لئے لوگوں نے آپ کی دل کھول کر مالی اعانت کی۔

لوگ آپ سے حدیث کا درس لینے لگے۔ آپ حدیث مسلسل بالاولیۃ سنا کر اس کی سند حاضرین کا سماع لکھ کر تحریری اجازت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ علماء ازہر میں سے چند علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا "بنیادی کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے"۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آپ سے تنہائی میں صحیح بخاری پڑھیں۔ اس درس میں بہت سے علماء مثلاً شیخ موسیٰ الشیخونی جو مسجد کے اور کتابوں کے انچارج تھے بھی شریک ہوتے تھے۔ جب لوگوں کو پتہ لگا کہ ازہر کے علماء اور خصوصاً شیخ احمد السجاعی (م ۱۱۹۰ھ)

شیخ مصطفےٰ المطائی (م ۱۱۹۲ھ) اور شیخ سلیمان الحریثی معروف بہ الاکراشی (م ۱۱۹۹ھ) بھی آپ سے استفادہ حاصل کرنے لگے ہیں۔ تو آپ کی عزت اور شہرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور گرد و نواح کے لوگ آپ کے ہاں جمع ہونے لگے۔ اور معانی کی تشریح آپ سے کروانے لگے۔ پس آپ روایت سے درایت کی طرف آ گئے۔ اور مجمع میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آپ درس میں شریک ہونے والوں کو صحیح بخاری کا کچھ حصہ روایت کر کے اور سند کے رواۃ یا زبانی دہرایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد ابیات بھی موضوع سے متعلق سنایا کرتے تھے۔ لوگ حیران ہوتے اور کہا کرتے تھے کہ ایسا تو ہم نے اس سے پہلے مصری مدرسین کو کبھی نہیں سنا۔

اس درس کے علاوہ مسجد حنفی میں ایک اور درس کا بھی اہتمام کیا اور مقررہ دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں بعد از نماز عصر "الشمائل" پڑھانے لگے جس کی وجہ سے شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔ پڑھانے کا طریقہ چونکہ نرالا تھا اور مصری علماء کے طرز پر نہیں تھا۔ اس لئے لوگ بڑی تعداد میں شرکت کیا کرتے اور خوب دلچسپی لیا کرتے تھے۔ علاقے کے متمول اور مشہور لوگ آپ کو اپنے گھروں میں درس دینے کے لئے بلاتے تھے۔ جب آپ کسی کی قیام گاہ پر درس دینے کے لئے تشریف لے جاتے تو ساتھ چند خاص طلباء، مقری، مستملی اور کاتب لے جاتے۔ درس کے وقت آپ کے سامنے عنبر، عود اور لوبان کے جلانے کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ درس کے آخر میں حسب قاعدہ درود شریف پڑھتے تھے۔ اور تمام سامعین حتیٰ کہ معصوم بچے اور بچیوں تک کے نام دن اور تاریخ لکھتے اور نیچے اپنا دستخط ثبت کرتے تھے۔

۱۱۹۱ھ میں عبدالرزاق آفندی روم سے مصر تشریف لائے۔ یہ اپنے علاقے کے بڑے رئیس تھے جب انہوں نے آپ کی تعریف سنی تو ملاقات کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ سے اجازت لی اور مقامات حریری کا درس آپ سے لینے لگے۔ آپ مقامات کے لغوی معنیٰ سمجھاتے تھے۔

ایک مرتبہ محمد پاشا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پہلی ہی ملاقات میں آپ سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کی کفالت کا ذمہ لیا۔ آپ کے تبحر علمی کا بین الاقوامی سطح پر چرچا ہونے لگا۔ اور دور دراز ممالک میں بھی خاصی مقبولیت حاصل کی۔ مختلف ممالک سے خطوط آنے شروع ہوئے۔ تحفے تحائف اور قیمتی سامان سے بھرے ہوئے صندوق آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ترک۔ حجاز۔ ہند۔ یمن۔ شام۔ بصرہ۔ عراق۔ سوڈان۔ فزان اور الجزائر کے سربراہوں کی طرف سے خطوط اور وفود آنے شروع ہوئے۔ اور ہر ملک والے نے اپنے ملک کی خاص چیز تحفۃً پیش کی۔ حاکم فزان نے ایک عجیب چیز جس کی شکل بھیڑ کی طرح اور سر بچھڑے کا تھا۔ آپ کی خدمت میں بھیجا جس کو آپ نے سلطان عبدالحمید کی اولاد کو ہدیہ کر دیا۔

اہلِ مغرب میں تو آپ کی شہرت اتنی پھیلی کہ پورے مغرب میں یہ بات ہر ایک کی زبان پر تھی کہ حج کرنے

گیا اور مرتضیٰ الزبیدی کی زیارت نہ کی۔ تو گویا اس نے حج ہی نہیں کیا۔ چنانچہ ایام حج میں آپ کی قیام گاہ کے سامنے لوگوں کا ایک بڑا ہجوم رہتا تھا۔ اور ہر ایک کے پاس ایک خط ہوتا جس آدمی کو خط کا جواب تحریری شکل میں ملتا تو وہ اس کا تعویذ بنا کر اپنے پاس محفوظ رکھتا۔ اور اسے حج کی قبولیت کی نشانی سمجھتا۔ نیز یہ بھی اعتقاد رکھتا تھا کہ میرا خاتمہ حسن ایمان کے ساتھ ہوگا۔ اور جسے جواب نہ ملتا تو وہ تادم زیست حسرت اور افسوس کرتا تھا۔ اور لوگ اسے ملامت کرتے تھے۔

۱۱۹۶ھ میں آپ کی رفیقۂ حیات فوت ہوگئی۔ آپ نے اس کی جدائی پر اشعار بھی لکھے۔ چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

مضت فمضت عنی بھا کل لذۃ — تقربھا عینای فانقطعا معاً

وہ چلی گئی تو اس کے ساتھ ہی ساری لذتیں ختم ہوگئیں

لقد شربت کاساً سنشرب کلنا — کما شربت لم یجد عن ذاک مدفعاً

اس نے موت کا پیالہ پی لیا اور ہم سب عنقریب اسے پئیں گے — جیسا کہ اس نے پی لیا اور اس سے کسی کو مخلص نہیں

فمن مبلغ صحبی بمکۃ انی — بکیت فلم اترک لعینی مدمعاً

پس میرے ساتھیوں میں سے مکہ کون یہ پیغام پہنچا — کہ میں اتنا رویا کہ آنکھوں میں ایک قطرہ آنسو نہ رہا

غالباً اس صدمے کا آپ پر یہ اثر ہوا کہ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اور اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے معتکف ہوگئے اور تحفے تحائف کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

شعبان ۱۲۰۵ھ میں بعد از نماز جمعہ آپ پر طاعون کا ایسا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے اتوار کے دن آپ اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

آپ کا جسم کمزور، سنہری رنگ۔ گھنی داڑھی اور باریک تھی۔ ہمیشہ عمدہ کپڑے پہنتے تھے۔ اور ہشاش بشاش رہتے تھے۔

تصانیف۔ آپ کی ایک سو سے زیادہ تصنیفات ہیں۔ لیکن بقول بروکلمن صرف تیس کتابیں دستیاب ہیں۔ ان میں سے بعض مخطوطے ہیں اور بعض مطبوعے۔

۱۔ اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین۔ مطبوعہ مطبع المینیہ قاہرہ نے ۱۳۱۱ھ میں دس ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔ اور فاس (مراکش) میں (۱۳۰۲-۰۴) تک تیرہ جلدوں میں طبع کیا ہے۔

۲۔ تاج العروس فی شرح القاموس۔ فن لغت میں ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ دس ضخیم جلدوں میں ہے۔ ۱۳۰۶ھ میں

پہلی مرتبہ بولاق (مصر) میں چھپی ہے۔ چودہ سال اور دو مہینے میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔

یوسف الیان سرکیس نے معجم المطبوعات العربیہ المعربہ جلد دہم ص ۱۷۲۶ پر لکھا ہے۔ کہ پہلی پانچ جلدیں مطبع الوھبیہ نے ۱۲۸۶-۷ھ میں شائع کی۔ پھر مکمل طور پر دس جلدوں میں مطبع الخیریہ نے ۱۳۰۶-۷ھ میں شائع کی۔

مندرجہ ذیل علماء نے نظم و نثر میں اس پر تقاریظ لکھی ہیں۔

۱۔ شیخ عبدالرحمان العیدروس ۱۱۹۲ھ۔ ۲۔ شیخ حسن الجداوی ۱۲۰۲ھ۔ ۳۔ شیخ عطیہ الاجھوری ۱۱۹۰ھ۔ ۴۔ شیخ علیشی البداوی ۱۱۸۲ھ۔ ۵۔ شیخ محمد بن ابراہیم العوفی ۱۱۹۱ھ۔ ۶۔ شیخ حسن الھواری ۱۲۱۰ھ۔ ۷۔ شیخ علی بن الصالح الشاوری ۱۱۸۵ھ۔ ۸۔ شیخ محمد الخربتاوی ۱۲۰۷ھ۔ ۹۔ شیخ علی صعیدی ۱۱۸۹ھ۔ ۱۰۔ شیخ احمد الدردیر ۱۲۰۱ھ۔ ۱۱۔ شیخ علی القناوی ۱۱۹۸ھ۔ ۱۲۔ شیخ محمد البغدادی مشہور بہ السویدی وغیرہم

۳۔ عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۲ھ مذہب امام ابوحنیفہ کے مسائل کی حدیثوں سے تائید کی گئی ہے۔ احناف کے نزدیک یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں ایمانیات اور دوسرے میں عبادات ہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ایک نسخہ موجود ہے۔ ۴۔ تنبیہ المعارف البصیر علی اسرار حزب الکبیر۔ یہ ابوالحسن الشاذلی کے حزب البر کی شرح ہے مصر میں شائع ہوئی۔

۵۔ نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقۃ المیسر و القداح۔ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ لیدن قاہرہ میں موجود ہے۔

۶۔ بلغۃ الاریب فی مصطلح آثار الحبیب۔ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ۔ ۷۔ کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام۔

۸۔ الفیۃ السند مخطوطہ۔ ۹۔ مختصر العین مخطوطہ لغت کے بارے میں ہے۔ ۱۰۔ التکملۃ والصلۃ۔ مخطوطہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ ۱۱۔ ایضاح المدارک بالافصاح عن العواتک۔ مخطوطہ۔ ۱۲۔ عقد الجمال فی بیان شعب الایمان۔ مخطوطہ۔ یہ ایک رسالہ ہے۔ ۱۳۔ تحفۃ القماعیل۔ مخطوطہ۔ شیخ العرب اسماعیل کی مدح میں لکھا ہے۔ قاہرہ میں موجود ہے۔ ۱۴۔ تحقیق الوسائل لمعرفۃ المکاتبات والرسائل۔ مخطوطہ۔ ۱۵۔ جودۃ الاقتباس فی نسب بنی عباس۔ مخطوطہ ۱۶۔ حکمت الاشراق الی کتاب الآفاق۔ مخطوطہ۔ قاہرہ میں موجود ہے۔ ۱۷۔ الروض المعطار فی نسب السادات آل جعفر الطیار۔ مخطوطہ قاہرہ میں موجود ہے۔ ۱۸۔ مزیل نقاب الخفاء عن کنٰی سادتنا بنی الوفا۔ مخطوطہ۔ قاہرہ میں موجود ہے۔ ۱۹۔ سفینۃ النجاۃ المحتویہ علی بضاعۃ مزجاۃ من الفوائد المنتقاۃ مخطوطہ۔ ۲۰۔ غایۃ الابتہاج لمقتفی اسانید مسلم بن الحجاج۔ مخطوطہ۔ ۲۱۔ عقد اللآلی المتناثرۃ فی حفظ الاحادیث المتواترہ۔ مخطوطہ۔ ۲۲۔ العقد المکلل بالجواہر الثمین۔ ۲۳۔ شرح الصدر فی شرح اسماء اہل بدر۔ ۲۴۔ زہر الاکمام المنشق عن جیوب الالہام بشرح صیغۃ سیدی عبدالسلام۔ ۲۵۔ رشفۃ المدام المختوم البکری۔ ۲۶۔ قول المبثوت فی تحقیق لفظ التابوت۔ ۲۷۔ معجم شیوخہ۔ مخطوطہ۔ ۲۸۔ دفع الشکوی وترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی ایوب۔ ۲۹۔ معدنۃ الاخوان فی شجرۃ

الدخان ۔ ۳۰۔ لقط اللآلی من جوہر الغالی ۔ یہ استاد الحفنی کی اسانید ہیں جس کی اجازت ۱۱۶۷ھ میں ملی جب کہ اسی سال آپ مصر آئے تھے ۔ ۳۱۔ المربی الکابلی فیمن روی عن الشمس البابلی ۔ قاہرہ میں یہ نسخہ موجود ہے۔ ۳۲۔ المقاعد المندیہ فی المشاہد النقشبندیہ ۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل پانچ کتابیں آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں موجود ہیں ۔

۱۔ برنامجہ ۔ ۲۔ اسانید الطرق الثلاثۃ ۔ ۳۔ الامالی الحنفیہ ایک جلد میں ۔ ۴۔ الامالی الشیخونیہ ۔ دو جلدوں میں ۔ ۵۔ تخریج احادیث خیر الانام

مآخذ

۱۔ تاریخ کامل لابن اثیر الجزری ۔ حاشیہ عبدالرحمٰن الجبوتی جلد پنجم ص ۱۰۰

۲۔ الاعلام ۔ خیر الدین الزرکلی جلد ہفتم ص ۲۹۷

۳۔ بروکلمن ۶۹۶،۶۲۰،۳۹۸ : ۲ : S : ۳۷۱ : ۲ ۔ ۴۔ فہرست الخزانۃ التیموریہ ۳ : ۱۱۸

۵۔ معجم المطبوعات العربیہ المعربہ ۔ یوسف الیان سرکیس جلد دہم ص ۱۷۲۶ ۔ ۶۔ تاج العروس جلد دہم آخری صفحہ

۷۔ تذکرہ علمائے ہند ۔ رحمان علی ۔ ۸۔ المعجم العربی ۔ ڈاکٹر حسین نصار ۔ ۹۔

اسلام کا معاشی نظام — جناب گل شاہ حنیف سالک ایم اے

سوشلزم
اسلام کے معاشی نظام کے آئینہ میں

سوشلزم کیا ہے ؟ آمرانہ اور جابرانہ پالیسیوں ، بدترین اقسام کے مظالم کی داستانوں سے مرکب ایک نظام ہے کیونکہ اشتراکیت کسی قسم کی اعلیٰ ترین جمہوریت کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اور نہ ہی دستور ساز اسمبلی (CONSTITUENT-ASSEMBLY) جو کہ اس کے نتیجہ میں پیدا ہو سکتی ہے تسلیم کرتا ہے ۔ سوشلزم میں آزادیٔ رائے و فکر بالکل مفقود ہے وہ نہایت عیارانہ طریقِ کار سے " استحصال ، استحصال " کے پرفریب نعرے لگا کر ملک کے تمام وسائل پر قابض ہو جاتا ہے ۔ اور ملک کو آہنی پنجوں میں جکڑ کر تمام شہریوں کے حقوق سلب کر کے ان کو مویشی بنا دیتا ہے ۔ ان سے چارپایوں کی طرح کام لیتا ہے اور حیوانات کی طرح ان سے سلوک کرتا ہے ۔ اس طرح انسانی اخلاقی اور روحانی ہر قسم کے اقدار سے انسان کو محروم کر دیا جاتا ہے ۔

سوشلزم کا دوسرا پہلو | سوشلزم طبقاتی کشمکش کو استحصال کے نعروں کے ساتھ پیدا کر کے ملک میں ہر قسم کی انارکی ، بدنظمی ، وحشت ، بربریت کی راہیں ہموار کر کے ملک کی زرعی ، صنعتی اور تجارتی وسائل پر براجمان ہو جاتا ہے اور پھر جمہوریت کے مطالب اور معانی کو اپنی مخصوص پالیسی کے تابع کرتا ہے ۔ خالص جمہوریت کو بالکل تسلیم نہیں کرتا اور آہنی شکنجوں سے بدترین قسم کی آمرانہ حکومت کا قیام کرتا ہے ۔

سوشلزم کا تیسرا پہلو | سوشلزم احترام آدمیت کا قائل ہی نہیں ہے ۔ سرمایہ دار ، مزدور ، کیپٹل اور لیبر ، آجر اور اجیر ، صنعت کار اور مزدور کے مسائل کھڑے کر کے عوام کو آپس میں خوب لڑانا اور جمہوریت کے نتیجہ میں جو اسمبلی وجود میں آتی ہے وہ تباہی ، بربادی اور زوال کا پیغام لے کر آتی ہے ۔

سوشلزم کا چوتھا پہلو | سوشلزم مذہب کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرتا ۔ روس میں مذہبی آزادی کا جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے ۔ حالاں کہ حقائق اس سے قطعاً مختلف ہیں مسلمان ، بچوں کے نام اسلامی نہیں رکھ سکتے ۔ کسی قسم کی دینی تعلیم نہیں دے سکتے ۔ ناظرہ قرآن پڑھانے پر بھی پابندی ہے ۔ مسجدوں میں اجتماع ممنوع ہے ۔

نکاح کی جگہ سول میرج لازمی ہے۔ اور سول میرج کے مخالفین سے غداروں کا سلوک کیا جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو[1]
سوشلزم کے نظریات کے تاریک گھناؤنے اور گمراہ کن پہلوؤں کے مختصر نقشے کے بعد ہمیں سوچنا چاہئے
کہ ہم کس قدر خوفناک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کہ ہم نے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ اشتراکیت کے نظریات
کی حامل جماعت کو پاکستان پر براجمان کر دیا۔ پاکستان لاتعداد قربانیوں سے حاصل کیا گیا۔ ہمارے اکابرین نے
شب و روز کام کر کے انگریز اور ہندوؤں کی عیارانہ چالوں پر پانی پھیر کر اور اپنی جان کی قربانیاں دے کر پاکستان
حاصل کیا تھا۔ اور ہزاروں فرزندانِ توحید کے خون سے اس مبارک پودے کو سینچا تھا۔

پیپلز پارٹی اور سوشلزم ہماری معیشت اسلام کے معاشی نظام کے آئینہ میں

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام (القرآن)
بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

بھٹو صاحب نے اپنی تقریروں میں پوری وضاحت سے فرما کر کہا کہ ہم سوشلسٹ ڈیمو کریٹ ہیں جب کہ سوشلزم
کسی قسم کی (DEMOCRACY) کو نہیں مانتا۔ سوشلزم کسی ملک میں پرامن جدوجہد یا پرامن احتجاج کی مکمل نفی کرتا
ہے۔ انقلاب، بدترحالات، انارکی، وحشت، بربریت، قتل و غارت۔ فحاشی اور عیاری۔ پیپلز پارٹی اور
سوشلزم کی پیداوار ہیں۔

معیشت ہماری سوشلزم ہے۔ کہنے سے چار مفروضے پیدا ہوتے ہیں[2]

۱۔ اسلام کا معاشی نظام ناقص ہے۔ حالاں کہ اسلام ایک جامع دستورِ حیات ہے۔ اس کی جامعیت اور اکملیت کی نقیض یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے عطا کردہ معاشی نظام کو ناقص قرار دے کر یہ نظریہ اپنا لیا کہ معیشت ہماری سوشلزم ہے۔

۲۔ اسلام کا معاشی نظام غیر مکمل تصور کرنے کی صورت میں ہم نے اسلام کے منافی نظریہ کو اپنایا۔

۳۔ اسلام میں معاشی نظام کی موجودگی کا انکار کیا اور فرض کر لیا کہ اسلام نے اس سلسلے میں ہمیں تشنہ اور غیر ہدایت یافتہ چھوڑا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس لئے اسلام کا دامن چھوڑ کر سوشلزم کا دامن تھام لیا ہے۔

۴۔ اسلام کے معاشی نظام کو موجودہ زمانہ میں قابلِ عمل تصور نہ کرنا اور سوشلزم کو اختیار کرنا۔

ان چاروں مفروضوں میں سے کسی ایک کو اپنانے سے ایک مسلمان ارتداد کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔
اسلام ہی معاشرہ کی تمام خرابیوں کی اصلاح، قافلہ انسانیت کو اعلیٰ خطوط پر چلانے کے لئے بنی نوع
انسان کی فلاح کے لئے قدم بقدم لمحہ بہ لمحہ۔ ہر ساعت اور ہر آن اللہ جل شانہٗ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اسے سریع الحسا

---

(1) QUOTATION FROM SELECTED WORKS BY LENEN-P-256
AND THE Same BOOK PAGE 151

[2] ملت پاکستان کا لائحہ عمل مصنفہ ابو عمر نقشبندی ص ۳۸

تسلیم کرکے اس کے خوف کو اپنے آپ پر وارد کرنے سے ہوتی ہے۔

اسلام نے معیشت کی پوری طرح وضاحت کی ہے۔ حرص۔ لالچ۔ ظلم ستم۔ کم تولنا۔ ہیرا پھیری کرنا۔ ذخیرہ اندوزی کرنا۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی۔ دھوکہ دینا وغیرہ سب حرام ہے۔ اور اس کے لئے بڑی سزائیں مقرر اور موعود کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کے ازنکاز کرتے ہیں اور نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں۔ پس ان کو بتا دیجئے کہ تمہارے لئے سخت گرفت ہے اس دن میں جب کہ انہی چیزوں سے ان کی پیشانیوں اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ ازنکاز کا مال جو تم دنیا میں جمع کرتے تھے اپنے نفس کے لئے چکھو اس کا مزہ آج

اسلام نے دولت اور سرمایہ کاری کی واضح ممانعت اس آیت مبارکہ میں فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں دولت ازنکاز پہ کچھ جبری پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور کچھ اخلاقی محرکات کی ترغیب دی ہے۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کی ادائیگی کی پابندی کی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَ طَالِبُهَا كِلَابٌ۔ دنیا ایک مردار ہے اور اس کے خواہشمند کتے ہیں

دنیا سے مراد دنیاوی مال و متاع۔ سونا۔ چاندی اور ہر قسم کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ شامل ہیں۔ یہ زندگی ایک عبوری دور ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

(اللہ تعالیٰ نے) پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے بہتر کردار والا۔

یہی وجہ ہے کہ اس عبوری دور میں مسلمان اور مومن مرد اور عورت اپنے بشری تقاضے پورے کرنے کے لئے محض وقت گزارنے اور دامن کو ہر آلودگی سے پاک رکھتا ہے۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک بکری کا بچہ مردہ پڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کون اس کا ایک درہم دے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ اے اللہ کے نبیؐ اس مردہ بچے کوئی بھی

نہیں خرید ے گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ جل شانہ کے نزدیک اس ساری دنیا کی حقیقت اس سے بھی کم ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آپؐ کا منشا ہو تو ہم صفا اور مروہ پہاڑوں کو سونے میں تبدیل فرمادیں وہ بھی ایسے کہ آپؐ کے ساتھ ساتھ چلیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں یہ چیز تو وہ طلب کرے گا جس کا مسکن نہ ہو۔

اس کے علاوہ اسلام کے معاشی نظام کے چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تمام وظائف جو کہ مال غنیمت یا بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے ان میں مکمل یکسانیت تھی۔ ہر ایک کو بلا امتیاز ایک ہی مقدار کا وظیفہ ملتا تھا۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ مہاجرین اور انصار۔ آنحضرت کے اہلبیت کے افراد اور عام صحابہ کرامؓ کے وظائف کی تقسیم میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اصحاب بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ہمیں ان وظائف میں سے کچھ ترجیحات دینی چاہئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس فانی دنیا میں اجر کے طالب ہو کر آخرت میں اپنے عظیم درجات اور عنایات الٰہیہ میں کمی مت کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وظائف میں درجہ بندی فرمائی۔ اور اپنے عہد خلافت کے آخری سال جب اس کے مضمرات ظاہر ہوئے تو آپ کو اس کا احساس ہوا۔ صحابہ کرام میں چند ایک ایسے نیک تھے کہ وہ اپنے کثیر مشاہرہ سے بقدر ضرورت پاس رکھتے تھے۔ باقی سب خیرات فرمادیتے تھے۔

مسجد نبویؐ کا صحن مبارک مال غنیمت سے بھر جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ جب تقسیم فرماتے تھے تو آنسوؤں سے آپ کی داڑھی مبارک بھیگ جاتی تھی۔ ہر قسم کی فراوانی۔ مال غنیمت کی بھرمار، سیم و زر اور مال و اسباب کی کثرت حضرت عمرؓ کی سادگی کو متاثر نہ کر سکی۔ آپ نے اپنی شہادت تک معمولی نانِ جویں زیتون کا تیل اور نمک کے سوا کچھ پسند نہ فرمایا۔

رزق کی عطا۔ گنجائش اور اس میں برکت اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے۔ انسان کا کام پوری تندہی۔ محنت اور جدوجہد سے رزق حلال کی تلاش فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ ھوالرَّزَّاقُ ذُوالقُوَّۃِ المَتِین اللہ ہی ہے جو زبردست طاقت و رزق پہنچانے والا ہے

صحت و تندرستی سے انسان کام کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ صحت و تندرستی اور متوازی اعضا کا عطیہ الٰہی انسان میں کام کرنے کی اہلیت اور رزق حلال حاصل کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے۔

انسان کے لئے رزق کے حصول کے ذرائع مہیا کرنا اللہ پاک کے فضل و کرم سے ہے۔ ملکی حالات کا پر امن رہنا۔ ظالم حاکم کی صورت میں انارکی۔ بے چینی۔ قتل و غارت چوری۔ ڈاکہ زنی۔ لوٹ کھسوٹ سے رزق حلال کے ذرائع متاثر ہوتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے۔ "من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکاً و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ (جو خدا کی ہدایت سے روگردانی کرتا ہے اس کے لئے زندگی تنگ ہے۔ اور قیامت کے دن اندھا اٹھے گا)

حضورؐ پاک کا فرمان ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جب تمہارے ہاں اولاد ہو تو کبھی بھی یہ خیال نہ کرو کہ تم ان کو کھلاتے اور پلاتے ہو۔ ان کی پرورش کرتے ہو بلکہ ان کے صدقہ سے تمہیں رزق اور روزی میسّر آتی ہے۔ اس حدیث مبارک میں معیشت کے نظام کا عظیم فلسفہ مضمر ہے۔ اس لئے حصولِ رزق ایک افضل ترین عبادت ہے۔

جناب بھٹو صاحب نے سوشلزم کی مندرجہ ذیل پالیسیاں نافذ کی تھیں۔

۱۔ روڈ ٹرانسپورٹ پر جزوی طور پر حکومت کا کنٹرول۔

۲۔ بڑی بڑی صنعتوں پر حکومت کا کنٹرول۔

۳۔ تمام بنکوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔

۴۔ بیمہ کمپنیوں کو قومیا یا گیا۔

۵۔ زرعی یونیورسٹی۔ رائس شیلر۔ رائس سکنگ ملز۔ فلور ملز۔ کاٹن جیننگ فیکٹریز پر گورنمنٹ کا کنٹرول۔ اور

۶۔ گھی کے تمام کارخانوں پر حکومت کی اجارہ داری ہو گئی۔

قومیانے کے عمل سے سب صنعتی اداروں۔ کارخانوں اور ملوں کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوئی۔ سب نقصان اور گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ مارشل لا حکومت کی رپورٹ کے مطابق تھوڑے سے عرصہ میں رائس ملنگ کارپوریشن کو ۵۰ کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ اس لئے رائس شیلر مالکان کو واپس لوٹا دئے گئے۔

اپنے عہدِ سوشلزم میں بھٹو صاحب نے بے حد و حساب مقروض ملک کے وسائل کو جس طرح استعمال کیا اور ان کو غلط منصوبہ بندیوں سے جو نقصان پہنچایا وہ ایک دردناک داستان ہے جو ملت کی تاریخ کے صفحات پر ابھر آتی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ جناب بھٹو صاحب کے ساتھ ان کے سوشلسٹ اور غریب نواز گورنر۔ وزراء۔ مشیر اور اسمبلیوں کے ارکان وغیرہ کیا کچھ کرتے رہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ روشنی اور تہذیب و قانون کی عملداری کے اس دور میں بھی مساوات کے علمبرداروں اور غریبوں کے حامیوں کے زمانۂ حکومت میں ایسی باتیں ہو سکتی ہیں۔ جن کا ارتکاب تو درکنار محض تصور بھی ہر شریف اور ایماندار شخص کو حیران و پریشان کر دیتا ہے۔

ان حقائق سے اندازہ فرمائیے کہ بھٹو صاحب اور ان کے کارندوں۔ مداحوں اور پیروی کرنے والوں کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے کچھ نسبت ہے؟ قطعاً نہیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   گر باو نرسیدی تمام بولہبی است

بھٹو صاحب کی پارٹی میں دو قسم کے عناصر تھے۔ ایک عنصر مکمل طور پر لادینی نظریات "سوشلزم" کا حامی تھا

دوسرا طالع آزما۔ ابن الوقت عنصر صرف گفتار کی حد تک اسلام کا نعرہ لگاتا تھا کوثر نیازی اس کے گرو تھے اگر یہ عنصر مخلص ہوتا تو لادینی نظریات کی حامل پارٹی کو خیر باد کہہ دیتا ۔ یا اسے راہِ راست پر لے آتا۔ جناب بھٹو اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے اسلامی احکامات پر عمل کرنے سے عاری تھے ۔اس لئے وہ اول الذکر سوشلسٹ بلاک کے حامی تھے ۔لیکن عوامی دباؤ اور خوفِ نیازی کی وجہ سے کوثر نیازی (محمد حیات) کے گروپ کا بھی خیال رکھتے تھے ۔ وہ دونوں گروپوں کے درمیان تذبذب میں رہتے تھے ۔کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ اس تذبذب کی وجہ سے بیچاری قوم کی کشتی کو عظیم طوفان میں ڈال دیا۔ اور خود بھی اس طوفان کا شکار ہو گئے ۔

ہر فرد کو اپنے بُرے اعمال کی سزا اس فانی دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے ۔ اللہ جل شانہ سریع الحساب ہے اگر کسی کو کچھ مہلت یا ڈھیل ملتی ہے تو برے اعمال اس کے کھاتہ میں واجب الحساب بڑھتے رہتے ہیں ۔لیکن جب پوری قوم ایک غلطی کی مرتکب ہوتی ہے تو خمیازہ ساری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے ۔ اکثر اوقات قوم کے چند افراد ہی قوم سے غداری اور منافقت کے مرتکب ہو کر ساری قوم کی کشتی کو ڈبو دیتے ہیں ۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مختلف جماعتوں کے قائدین نے فقدانِ غور و فکر سے اس خطرہ کو محسوس نہ کیا۔ آپس میں خوب الجھے اور سر جوڑ کر متحد ہو کر سوشلزم کا مقابلہ نہ کر پائے ۔نتیجہ سامنے ہے ۔

جناب بھٹو کے منحوس سوشلزم کا آغاز ہی منحوس گھڑی سے ہوا تھا۔ جب کہ قائداعظم کا پیارا ملک پاکستان دولخت ہو گیا تھا۔ سوشلزم نے مارشل لا سے اقتدار لیا اور پھر اپنے خطرناک تانا بانا سے ایسے حالات پیدا کر دئے کہ سوشلزم مارشل لا پر ختم ہوا۔

فیض صحبت کی اہمیت

معارف و سلوک

مرتب ۔ ماسٹر محمد عمر ۔ خان گڑھ

ملفوظاتِ بہلویہ

از عارف باللہ مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ

فرمایا۔ تصوف کا اصل مقصد ہے فیض صحبت شیخ ۔ علم چاہے ہو یا نہ ہو۔ اہل اللہ کے فیض صحبت سے وہ کچھ نصیب ہوتا ہے جو کتابوں سے کبھی حاصل نہیں ہوتا ۔ اور میری بات یاد رکھنا علم کبھی بلا صحبت اہل اللہ بیکار ہے۔ صحابہؓ سب کے سب عالم نہ تھے ۔ مگر ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت موجودہ وقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ محدث ، فقیہہ اور بڑے سے بڑے اولیاء ، غوث ، قطب ابدال پر مسلّم ہے ۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے جس قدر جس صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت زیادہ نصیب ہوئی وہ صحابہؓ میں زیادہ درجات کا مالک بنا ۔ اور ہمیشہ اہل اللہ نے فیض صحبت پر زیادہ زور دیا ہے یہ چیز نری کتابوں سے اور مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتی ؎

خود بخود آں شہ ابرار بری آید ہ نہ بزور نہ بزاری نہ بزر می آید

یاد رکھنا علم اور چیز ہے مگر علم کے مصداق رنگ چڑھانا ہو تو وہ اہل اللہ کے فیض صحبت سے نصیب ہو گا ۔

محدث امت فخر الاماثل سیدنا انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ نے بخاری شریف کے ختم کے وقت فرمایا ۔ ہزار مرتبہ بخاری پڑھو جب تک کسی کامل کے جوتے نہ اٹھاؤ گے کچھ نہیں بنے گا ۔

اہل اللہ خاصانِ خدا اور مقربانِ خداوندی ہیں جس اللہ والے پر ہر وقت انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہو کیا اس کے قریب بیٹھنے والا محروم رہے گا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی اور بری مثال کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ۔ اچھی صحبت کی مثال عطر فروش کی دکان ہے جو شخص اس دکان میں جائے گا ۔ وہ اگر عطر نہ بھی خریدے گا تو کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور سونگھے گا ۔ آنحضرت صلعم نے بری صحبت کو لوہار کی بھٹی سے تشبیہ دی ۔ ایسی

دکان میں جانے والا اگر کچھ لے گا نہیں تو کپڑے تو ضرور جلا کر آئے گا۔

کیا وجہ تھی کہ حضرت امام احمد بن حنبل نور اللہ مرقدہ جو امت کے امام تھے چھ لاکھ احادیث کے حافظ تھے لیکن پھر بھی غالباً حضرت بشر حافیؒ یا داؤد طائیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہو کر اس فقیر کھدر پوش کے پاس کیوں جاتے ہیں؟

جواباً فرمایا۔ ان کی صحبت میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہماری معلومات اور کتب میں بھی نہیں ہوتیں۔

شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہم تعالیٰ کے مرشد سید احمد شہیدؒ تھے۔ سید احمد شہیدؒ اتنے عالم نہیں تھے مگر شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحیٔ صاحب سید احمد شہید کے گھوڑے کی رکابیں پکڑ کر ساتھ ساتھ بھاگتے تھے۔ حضرت سید الاولیاء مولانا دوست محمد قندھاریؒ کے مرشد حضرت ابو سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مولانا دوست محمد قندھاری مرشد کی زیارت اور فیض صحبت کے لئے قندھار سے پیدل دہلی تشریف لے جاتے تھے۔ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمد عثمان موسیٰ زئی شریف میں پیدل تشریف جایا کرتے تھے۔ ؎

صحبت صالح ترا صالح کند　　　صحبت طالع ترا طالع کند

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا　　　گو نشیند در حضور اولیاء

یعنی بدبخت کی صحبت تمہیں بدبخت بنا دے گی اور نیک بخت کی صحبت تمہیں نیک بنا دے گی۔

جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اسے اولیائے کرام کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است　　　بہتر از صد سالہ طاعت است

اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہو جائے تو وہ سو سال کی عبادت سے افضل ہے۔ حکیم الامت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:۔

بعض اوقات کامل کی صحبت اور ان کی توجہ مبارک سے دل کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت اور ہزار سال کی عبادت سے بھی افضل ہو جاتی ہے۔

جس قدر مرشد کامل سے محبت کا رابطہ بڑھے گا مرید دور رہ کر بھی شیخ کے فیض سے فیض یاب ہوتا رہے گا۔ اور بے محبت آدمی مرشد کے حکم کی تعمیل نہ کرنے والا گو قریب ہے مگر بے نصیب ہے۔ حضرت لاہوری قدس سرہ العزیز شجاع آباد میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی مسجد میں تشریف لائے۔ فرما رہے تھے اے شجاع آباد والو! آپ لوگوں کو اللہ والوں کی حقیقت کیا معلوم۔ ان لوگوں کی جوتوں کے ذروں سے وہ موتی

ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ملتے۔ ہم نے ان اللہ والوں کے جوتوں کی مٹی کے ذرّوں کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا تو ہمیں سب کچھ نصیب ہوا۔

اگر شیخ سے دُوری ہو تو پھر کم از کم ایک یا دو ماہ میں مرشد کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا چاہیئے۔ کم از کم پندرھویں دن خط لکھے اور اپنی حقیقت اور درد دل کا حال لکھے۔ کسی منشی سے نہ لکھوائے بلکہ جیسا بھی لکھنا آتا ہے خود لکھے اور اپنے جذبات کا اظہار کرے۔ انشاء اللہ شیخ کامل خط کے ذریعے ہی آگے سبق دینا ہو گا تو دے دیں گے۔

اور پھر یہ بھی نہ سوچیں کہ اس دفعہ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے توجہ ہی نہیں کی۔ میں کہتا ہوں کہ مرشد مرید کو ایک دفعہ دیکھ ہی لیں، سالک کے لئے وہی ایک نظر ہی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

اگر مرشد گھر تشریف فرما نہ ہوں تو افسوس نہ کریں۔ میں تو اپنے مرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی مسکین پوری کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ان کی مسجد مبارک اور ان کے گھر کی درودیوار کی اینٹ اینٹ سے فیض لے کر آتا تھا۔

مرشد کی خدمت میں جانے سے پہلے استخارہ کرتا، جب کچھ تسلی ہوتی تو چل پڑتا۔ سارے راستے میں روتا اور دعائیں کرتا رہتا کہ یا اللہ مرشد کو مجھ پر مہربان کر دینا۔ اگر اللہ تعالیٰ مرشد کو مرید پر مہربان نہ کرے تو مرید بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔ جب مرشد کی خدمت میں حاضری ہوتی تو میرا سارا وجود کان ہوتے اور آنکھوں میں آنسو ہوا کرتے تھے۔ آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔

حضرت شیخ قریشی مسکین پوری رحمۃ اللہ علیہ نیچے گھاس پھوس اور پلالی بچھا کر بیٹھتے تھے چاہے کپتان یا کمشنر کیوں نہ ہو نیچے سوتے تھے۔ دال روٹی آتی۔ دال مٹی کے بڑے بڑے پیالوں میں بھری ہوتی اور اتنی پتلی ہوتی تھی کہ رات کو چاند تو درکنار ستارے بھی نظر آتے تھے۔ مگر آج کل مریدوں کے ساتھ اگر ایسا برتاؤ کیا جائے تو مرید بے اعتقاد تو علیحدہ رہا، گالیاں دے کر جائے گا۔

لوگ کہتے ہیں اس دَور میں صحیح پیر نہیں ملتے۔ میں کہتا ہوں اس دور میں صحیح مرید نہیں ملتے۔ میں عالم تو نہیں تھا۔ مگر شیخ مجھے عالم سمجھ کر اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ میرے تمام پیر بھائی مرشد کے گھر گھریلو کام کاج اور لنگر کی خدمت میں لگ جاتے۔ جب واپسی ہوتی تو مجھ سے انہیں زیادہ نفع ہوتا تھا۔

تمہارا حال یہ ہے۔ کہ نہ خط لکھتے ہو نہ آمدورفت ہوتی ہے۔ اگر آتے بھی تو عید کے چاند کی طرح منہ دکھا کر چلے جاتے ہو۔ اگر آتے ہو تو مہمان بن کر نہ کہ خادم بن کر۔ یا پھر اگر آتے ہیں تو یہی نیت لے کر کہ حوریں نظر آئیں کشف ہو۔ انوار نظر آئیں۔ ع

طالب خدا باش طالب لذت مباش

طالب کو طالب خدا چاہیئے نہ کہ لذت چاہیئے۔

عالم کل نہ اکثر جاتے ہیں تو اس نیت سے کہ تعویذات کی اجازت مل جائے۔ پیرزادے، سیدزادے جاتے ہیں تو اس نیت سے کہ باپ کے مرید سنبھالوں گا۔ دنیا دار گئے تو پھر دل میں یہی سوچتا رہا کہ پیر آموش تو کر میں تو کاریں بلڈنگیں چھوڑ کر آیا ہوں للہیت نہ رہی۔

پیر کی خدمت میں خادم بن کر جاؤ نہ کہ مہمان بن کر۔ اگر شیخ کی خدمت میں حاضری ہو تو ان کی مجلس میں دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرکے دل میں یہ تصور اور دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آرہی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کے واسطے سے میرے مرشد کے دل سے میرے دل میں آرہی ہے۔

حضرت تاج محمود امروٹی قدس سرہ العزیز کی خدمت امروٹ شریف میں حاضر تھا۔ آپ حلقہ مریدین میں تشریف فرما تھے اسی اثنا میں ہوائی جہاز اوپر سے گذرا۔ تو کسی نے اوپر دیکھا۔ تو آپ نے ناراضگی کے انداز میں فرمایا کیا تم روزانہ آیا کرتے ہو جو اوپر دیکھ رہے ہو؟

میں کعبہ شریف میں کعبہ شریف کی طرف دید لگائی ہوئی تھی کہ غلطی سے دوسری طرف نگاہ کی۔ کسی نے سخت سست الفاظ میں کہا۔ کیا تم یہاں بار بار آیا کرتے ہو کہ دوسری طرف نگاہ کرتے ہو۔ اسی طرح جب اہل اللہ کی خدمت میں حاضری ہو تو ٹکٹکی دید کی ہر طرف اُدھر ہی رہے۔

فوّارہ مارکہ
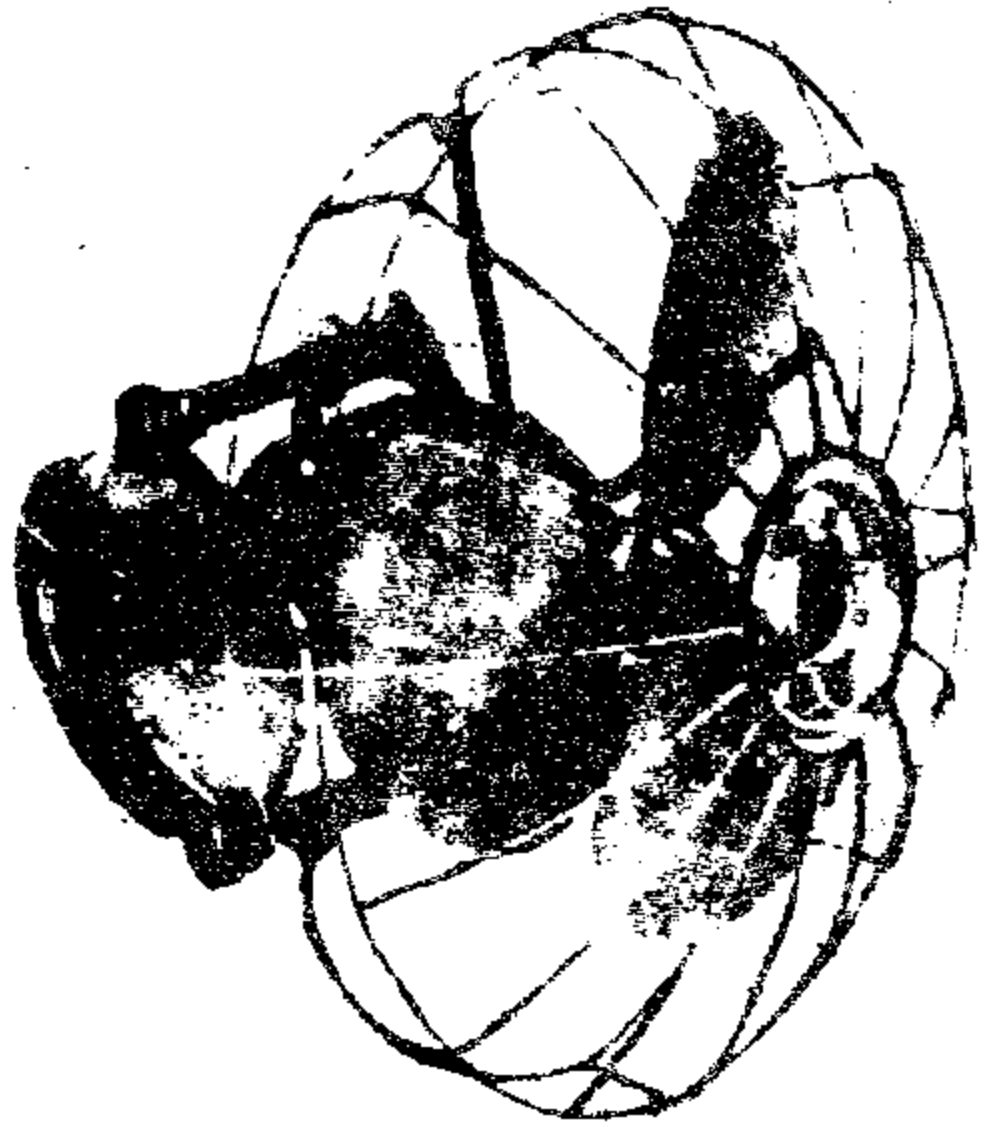
اعلیٰ قسم کا
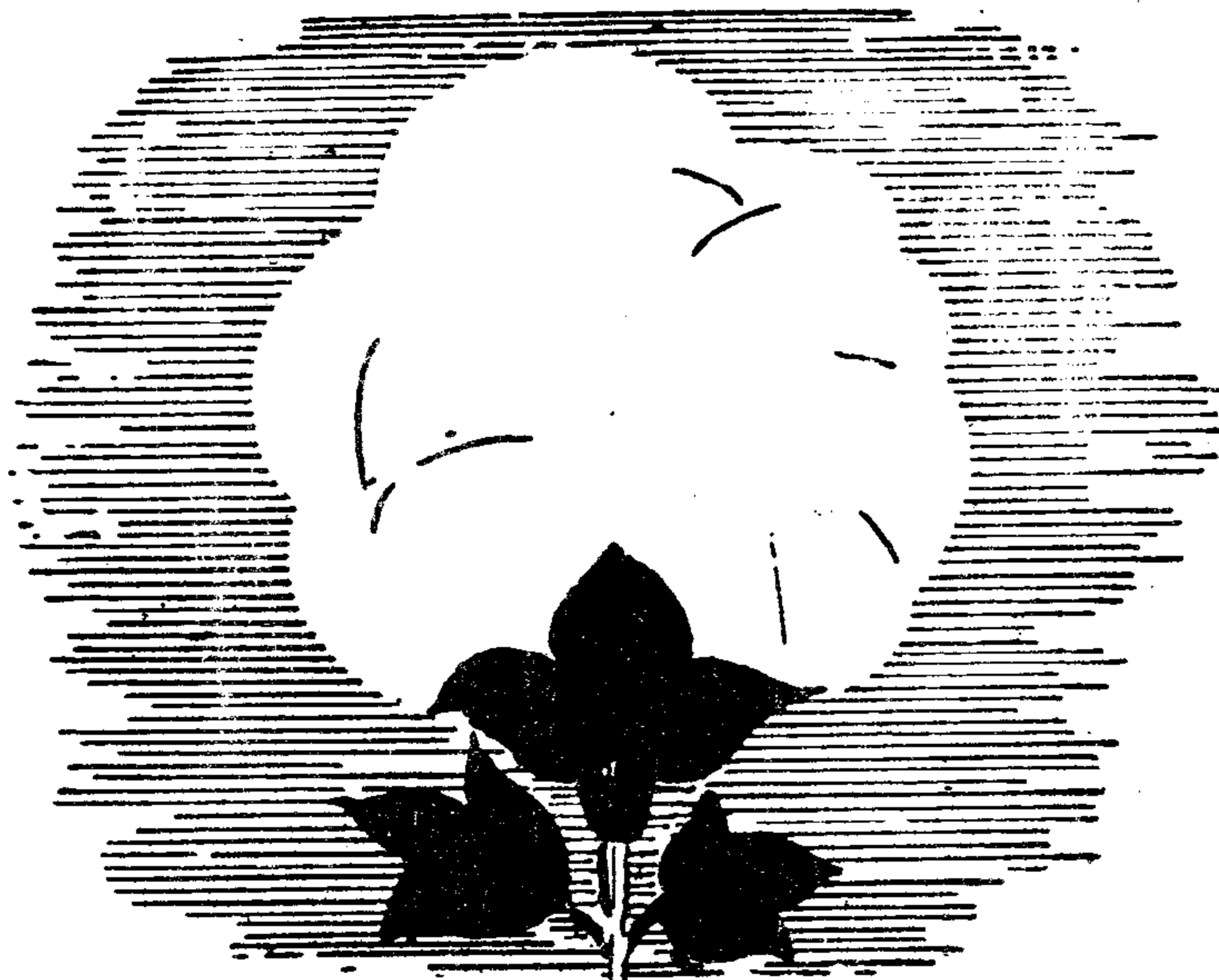
سوتی دھاگہ

سنگل اور فولڈڈ

۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک

ہنکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
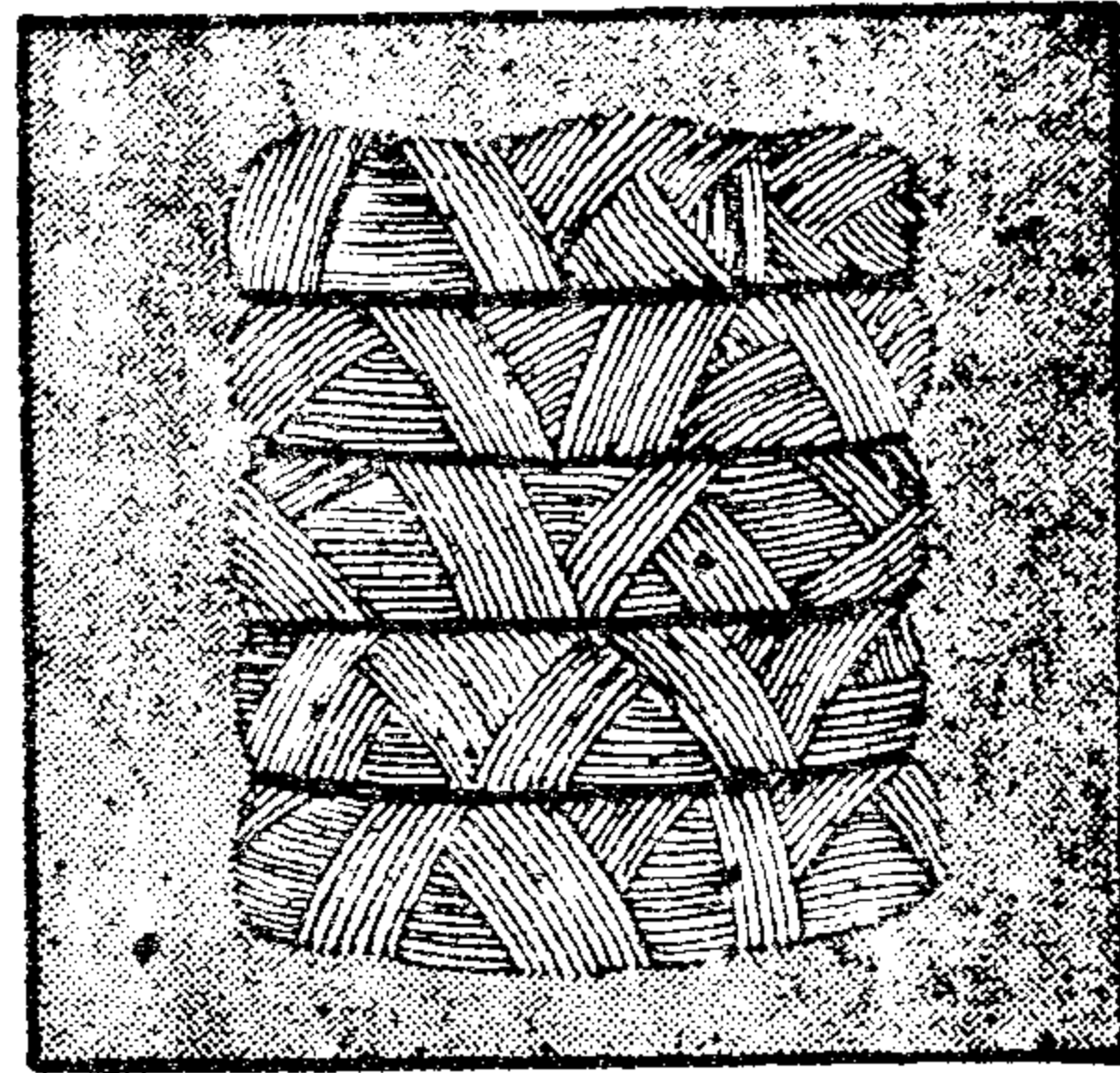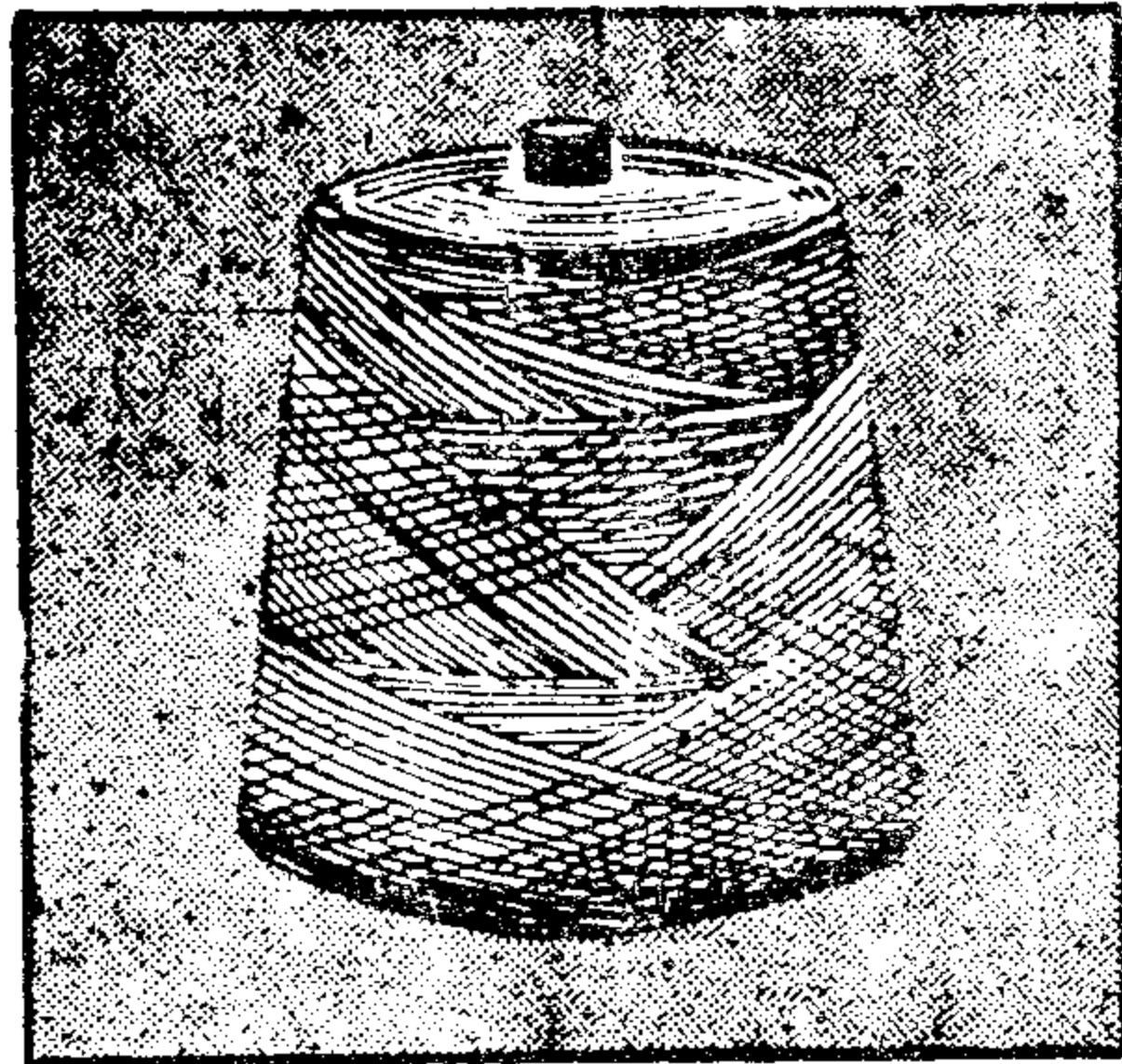
تیارکنندگان:

ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

رجسٹرڈ آفس: ۱۱۹۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ ـــ پوسٹ بکس نمبر ۴۶۱۷ ـــ کراچی

تارکا پتہ: DOSTCOT ـــ فون ـ ۲۲۱۳۳۰ ـ ۲۲۳۹۱۳

ملز: سٹی چھاؤنی ـــ پوسٹ بکس ۵۴ ـــ راولپنڈی

تارکا پتہ: FINETEX ـــ فونز ۔ ۹۲۷۵۵ ـ ۶۶۹۴۲ ـ ۶۲۷۵۵

وحید الرحمٰن شاہ بی اے آنرز۔
صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج پشاور

منظوم پشتو ادب کی ایک فقہی کتاب

نافع المسلمین۔ از شیخ اخوند گدا

مؤلف کتاب حضرت شیخ اخوند گدا بارہویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم و فاضل اور احمد شاہ ابدالی (م ۱۱۸۰ھ ۱۷۶۷ء) کے ہم عصر گوشہ نشین فقیر گذرے ہیں۔ آپ کو شریعت و طریقت کے دونوں علوم پہ دسترس حاصل تھی آپ پشتو زبان کے ادیب اور حضرت عبدالرحمٰن بابا (م ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء) کی طرح ایک صوفی شاعر بھی تھے۔ آپ کی عمر اور تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اپنے دور کے احوال کے بیان میں پشتونوں کے ایک بزرگ "قائم خان" کی تاریخ وفات "بلغ العلی" بیان کی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اسی وقت یعنی ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۹ء تک زندہ تھے۔ آپ کا مزار قاضی عبدالحلیم اثر کی تحقیق کے مطابق ضلع پشاور کے علاقہ داؤدزئی میں دریائے شاہ عالم کے کنارے نوی کلی (بابوزئی) میں واقع ہے۔ جہاں آپ "باری گدا" کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ و قادریہ میں حضرت مولانا میاں گل اخوند سعادت (م ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء) سے جا ملتا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔[2]

اخوند سعادت (م ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء) مرید و خلیفہ حضرت شیخ احمد داؤدزئی (م ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۵ء) کے تھے اور وہ حضرت شیخ سعداللہ وزیر آبادی (م ۱۱۰۲ھ ۱۶۹۳ء) کے خلیفہ تھے۔ اور آپ حضرت شیخ سید آدم بنوری

---

[1] الف۔ نافع المسلمین ص ۲۸۹، ۲۹۰ (ب) پشتو ادب تاریخ از صدیق اللہ رشتین ص ۸۰ (ج) روحانی رابطہ۔ قاضی عبدالحلیم اثر ص ۶۳۸ [2] روحانی رابطہ ص ۶۳۸

(م ۱۰۵۳ھ ۱۶۴۳ء) اور اب حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔[۵]

زیر نظر کتاب نافع المسلمین المعروف اخون گدا۔ آپ کی ایک علمی یادگار ہے جسے میاں حاجی عبد الخالق و فضل مالک ناجران کتب قصہ خوانی بازار پشاور اور دیگر ناشرین نے کئی بار شائع کی ہے۔ یہ مطبوعہ کتاب ۱۳۱ صفحات کے ۴۵ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں شریعت و طریقت کے مختلف موضوعات کے تحت فقہ، عقائد اور تصوف کے ایسے مسائل پیش کئے گئے ہیں۔ جو عام طور پر پشتونوں کو ہر وقت درپیش ہو سکتے ہیں۔

آپ کے اشعار میں سوز و گداز، سادگی اور علمی رنگ نمایاں ہے۔ صدیوں سے صوبہ سرحد کے پشتون مرد و زن مسائل اسلامی کے سیکھنے کے لئے اس کتاب کو گھروں میں درسی کتاب کی حیثیت سے پڑھتے ہیں۔ اخون قاسم کی فوائد شریعت اور ملا عبد الرشید کی رشید البیان کی طرح پختونخواہ میں مذہبی کتب کے زمرہ اول میں شامل ہے۔ مؤلف نے مسائل فقہ بیان کرتے وقت مسلک احناف کا خاص خیال رکھا ہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب کا نام تک نہیں لیا ہے۔

مسائل فقہ کو منظوم کرتے وقت ان کی کتب فقہ پر گہری نظر رہی ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے گویا آپ ان کتابوں کی منظوم تشریح کرتے ہیں۔ مثلاً ابو الحسن محمد بن محمد قدوری (م ۴۲۸ھ ۱۰۳۶ء) کی مختصر القدوری کی کتاب الصلوٰۃ میں باب العیدین کی مندرجہ ذیل عبارت کا زیر نظر کتاب کے منظوم اشعار سے موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ قدوری سے کافی استفادہ کیا گیا ہے

"وتکبیرات التشریق عقیب الصلوٰۃ المفروضات بجماعۃ مستحبۃ" (نافع المسلمین ص ۱۰۴)

حقي وتر د تشریق تکبیر واجب دی　　　پہ مقیم شہری بندي دي کہ صاحب دي
چہ فرض نمونځ پہ جماعت سرہ اداکہ　　　درپسي دیو یا دری ځلہ بیادا کہ
کہ جماعت مستحبہ دي د مردانو　　　نہ جماعت چہ مکروہ دی دزنانو
نہ چہ یہ مسافر باندي واجب دي　　　اقتداء سرہ دوائي مناسب دی

ترجمہ۔ ویسے طاق تکبیرات التشریق واجب ہے۔ مقیم شہری قیدی ہو یا صاحب ہو

جب فرض نماز باجماعت ادا کرے　　　بعدہ ایک یا تین بار ادا کرے
اگر جماعت مستحبہ مردوں کی ہو　　　نہ وہ جماعت جو مکروہ ہو عورتوں کی
نہ کہ زن و مسافر پہ واجب ہے　　　اقتدار کے ساتھ پڑھنا مناسب ہے

---

[۵] قران السعدین (قلمی) اخوند رفیع بحوالہ حدیقۃ الاولیا تحقیق و تعلیق۔ محمد اقبال مجددی ص ۱۲۷

حضرت شیخ اخوند گدا صوفی شاعر عبدالرحمٰن بابا (م ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء) کے عقیدت مند تھے۔ اور شاعری میں رحمان بابا کے مکتبہ فکر سے متاثر تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل شعر سے ظاہر ہے۔ (نافع المسلمین صفحہ ۳)

زہ گدائی پہ خپل ځائی باند قائم کړم   لہ جہان چہ شاعر عبدالرحمان لا ړہ

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن بابا اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ تو مجھ گدا کو اپنا قائم مقام بنایا۔

نافع المسلمین مسائل دینیہ کا ایک بہترین مجموعہ ہے وعظ و نصیحت کے لیے جگہ جگہ منظوم حکایات بھی بیان کی گئی ہیں۔ لیکن مضامین کا معیار عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس سے استفادہ صرف متوسط اور عالم طبقہ کے لوگ کر سکتے ہیں۔

از میر عبدالصمد خان

خوشحال خان خٹک
شاعرِ اسلام

پشتو ادب اپنے ابتدائی دور ہی سے اسلامی تعلقات، اسلامی ثقافت اور اسلامی تہذیب و معاشرت کا مبلغ و معلم رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس زبان کے بولنے والوں اور اسلام کا ظہور قریباً ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ اسلام سے قبل کے پشتو ادب کا واضح سراغ اب تک نہیں ملا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پشتو زبان اور ادب بالکل ابتدا میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے ناآشنا تھی لیکن ساتویں صدی عیسوی کے بعد اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ داخل ہونا شروع ہوئے۔ اور یہیں سے اس کے معلوم ادب کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ اس زبان کی ادبی ابتدا نظم سے ہوتی ہے۔ اس کا جتنا بھی شعری ادب ہے وہ اسلامیات کا حامل ہے حتیٰ کہ عشق و محبت کی شعر و شاعری میں بھی وہی باتیں کہی گئی ہیں جو بعد از اسلام کی عربی اور فارسی شاعری کا خاصا ہیں۔

جہاں تک پشتو نثر کا تعلق ہے اس کی پہلی کتاب جواب سے چار ساڑھے چار سو سال قبل لکھی ہوئی بتائی جاتی ہے۔ اولیاء کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ اخوند درویزہ اور بایزید کی پشتو نثری تحریروں میں بھی مذہبی مسائل اور عقائد پر بحث کی گئی ہے۔

الغرض خوشحال خان خٹک سے پہلے اور بعد کے دونوں زمانوں میں اب تک پشتو ادب اور اسلام میں چولی دامن کا تعلق رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پشتو میں اسلامی لٹریچر کی فراوانی ہے۔

خوشحال خان خٹک جو پشتو ادب کا سب سے بڑا نمائندہ ہے۔ اسلام کا بھی سب سے بڑا ترجمان اور مبلغ ہے۔ اس نے جہاں شرعی مسائل بیان کئے ہیں وہاں قرآنی تعلیمات کی حقیقی روح بھی پیش کی ہے وہ علامہ اقبال ہی کی طرح قرآن پاک کا شارح اور مفسر ہے۔ اور اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ نفاذِ شریعت کی بے حد تاکید کرنے کے علاوہ ہر غیر اسلامی فکر و عمل کی بے حد مذمت بھی کرتا ہے۔

ذیل میں اس کے کچھ ایسے اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن میں شریعت پر عمل کرنے اور کرانے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

* "تو وہ کام کر جو شرعی احکام کے مطابق ہیں۔ رسم و رواج پر ہرگز عمل نہ کر۔
* اے خوشحال اوامر پر چل۔ نہی سے روگردانی کر کیونکہ جو شخص نہی پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ جلد پشیمان ہوتا ہے۔
* قرآن کو پیش نظر رکھ۔ اس پر باور کر اور غلط راہوں پر نہ چل۔ شرع کے آگے سر تسلیم خم کر اور اس بحر میں بے خوف و خطر کود پڑ۔
* شرع کے مخالف کرنا سراسر شیطان ہے وہ شخص رو سیاہ ہو جو جھوٹی باتوں پر عمل کرتا ہے۔
* میں تو اس قرآن کو مانتا ہوں جو آسمان سے نازل ہوا ہے۔ یونانی قسم (غیر آلامی) کی باتوں سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔
* جو دیندار مردان با صفا کے کام چھپے ہوئے نہیں ہوتے وہ اس پانی تک کو مردار خیال کرتے ہیں جس کا پینا شرع میں ناروا ہو۔
* آدمی شریعت کے ناموافق جو بھی قدم اٹھائے گا اس سے اس کی بازپرس ہوگی۔
* شریعت کہتی ہے اچھا کھاؤ۔ اچھا پیو۔ لیکن حرام حلال میں تمیز کرتے رہو۔
* خواہ تخت پر بیٹھو تمہیں مبارک ہو۔ لیکن اے میرے دوست راہ شریعت پر ثابت قدم اور استوار رہو۔
* اچھا وہ ہے جو شریعت کی راہ پر سیدھا چلے اور برا وہ ہے جو شرعی انتشار سے تباہ و برباد ہو۔
* جو کام تقویٰ یا فتویٰ پر نہ ہو تو اسے میں الحاد و ارتداد سمجھتا ہوں۔

خوشحال خان خٹک نے ایسے ہی بے شمار اشعار میں شریعت کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اعمال صالح کی تاکید کی ہے اور صحیح مسلمان کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے نزدیک مومن وہ ہے جو محکم یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ خدا کا خوف اور دین کا درد رکھتا ہو۔ دنیا کے باقی سارے کام فنا ہو جائیں گے لیکن دین کا کام ہمیشہ باقی رہے گا۔ وہ مسلمان ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

* اے خدا تو نے مجھے پانی اور مٹی سے پیدا کیا اور دین متین سے بہرہ ور کیا۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کیا ہے کسی دوسرے دین سے میری توبہ۔

خوشحال خان کہتا ہے جس گھر میں کلام پاک کی تلاوت ہوتی ہے اس گھر کے خورد و کلاں تمام افراد غم و رنج سے محفوظ ہوں گے۔ ان کا گناہ اس طرح جلا کرے گا جیسے خس و خاشاک آگ میں جلتے ہیں۔

وہ وحدت خداوندی پر یقین کامل رکھتے ہوئے کہتا ہے۔

ہر تشنہ جو دریائے وحدت سے سیراب ہو جائے۔ وہ باقی تمام دنیا کو ایک سراب سمجھتا ہے جس کے دل میں

چراغِ وحدت روشن ہو جائے اس کا چہرہ نورانی بن کر آفتاب ہو جاتا ہے۔

خوشحال خان اسلامی عقائد کی تبلیغ ہی نہیں کرتا۔ وہ لوگوں میں اسلامی اوصاف بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

* تمام لوگوں کے خیر خواہ رہو۔ ہر گمراہ کو راہِ ہدایت دکھایا کرو۔ کسی سے طمع نہ رکھو۔ سخاوت کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا رکھو۔ اور تاج و تخت کے بغیر بادشاہ بن کر رہو۔

اس کے نزدیک آدمی وہ ہے جو حق شناس، شکر گذار، باوفا اور سچا ہو۔ جو حقدار کا حق ادا کرتا ہو۔ پردہ پوش ہو۔ عفو و درگزر سے کام لیتا ہو۔ عدل و انصاف کی خوخصلت رکھتا ہو۔ کسی کو آزار نہ دیتا ہو۔ اس کا سینہ کینہ حسد اور بغض سے خالی ہو فراخ دل اور ہمت والا ہو۔

خوشحال خان خٹک جن اوصاف کو اپنانے پر زور دیتا ہے اور جن اقدار کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے وہ سراسر اسلامی ہیں۔ اور ان کی بدولت ہمارا معاشرہ تمام روحانی اور مادی خوشیوں سے بہرہ ور ہو کر اس معراج کو حاصل کرنے کے قابل بن سکتا ہے جس کا حصول مسلمانوں کا مقصدِ حیات اور نصب العین قرار دیا گیا ہے۔

وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہے اور چونکہ اسلام پر اس کی گہری نظر ہے اس لئے وہ بدعتوں، توہمات اور باطل رسم و رواج اور غلط و غیر اسلامی تصورات کی نفی کر کے خالص اسلام کی پیروی پر زور دیتا ہے۔

خوشحال خان خٹک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقِ صادق ہے۔ اس نے نہایت ہی ولولہ انگیز نعتیں کہی ہیں۔ اسی طرح حمد و مناجات اس کی شاعری کا ایک اہم حصہ ہے۔ اصحابِ رسول کا فدائی۔ خلفائے راشدین کا والہ و شیدا ہے۔ اہل بیت کا حلقہ بگوش اور دیگر بزرگانِ دین کا مداح و ثنا خواں ہے۔

خوشحال خان مردِ مومن ایک پاکباز و جاں سپار انسان ہے۔ جو صاحبِ عزم و ہمت ہے۔ برکت والا ہے۔ کاروبارِ زیست میں دوسرے لوگوں کے لئے راحت اور رحمت ہے۔ کم گفتار و الا بسیار کردار ہے۔ بلندی کا موقع محل ہو تو وہ سرو قد ہے اور پستی، نرمی اور حلم و بردباری کا مقام ہو تو وہ تاکِ انگور کی طرح چاروں طرف خاک پر بچھ جاتا ہے۔ وہ غنچے کی طرح منہ سے خاموش اور سینہ چاک ہوتا ہے جس کے اردگرد بلبل چہچہاتے ہیں۔ یار کے لئے موم اور اغیار کے لئے پتھر ہے۔ وہ ایسے مردوں پر فدا ہونا چاہتا ہے۔ جو بجلی کی کڑک بھی ہو اور بارانِ رحمت بھی۔ غیرت کا پیکر اور عزت کا محافظ اور نگہبان بھی۔ دین و دانش رکھتے ہوں اور داد و دہش میں یکتا ہوں۔ اپنا بوجھ بھی خود اٹھاتے ہوں اور دوسروں کا بار اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ قول اور عہد کے پختہ ہوں۔ جھوٹ، فریب اور ریا کاری سے بالکل ناآشنا اور سخت نفرت کرنے والے ہوں۔ الغرض وہ اسلام کی تعلیمات اور قرآن پاک کے تصور پر بالکل پورا اترتے ہوں۔

خوشحال خان خٹک ہر حالت میں خدا پر توکل اور تکیہ رکھتا ہے اور باقی تکیوں کو نیست و نابود سمجھتا ہے

- ★ یا تو خدائے واحد کا سہارا ہے اور یا تلوار کا۔ جرگوں اور کانفرنسوں سے بات طے نہیں ہوتی۔ وہ اس مسلمان سے گبر کو بہتر سمجھتا ہے جو اپنے قول اور عہد سے پھر جائے۔
- ★ اس آدمی کا اسلام، اسلام نہیں ہے جس سے گبر قول و قرار کی پابندی میں بہتر ہو۔

وہ مزید کہتا ہے:۔

- ★ اگر تو عہد اور قول پر استوار ہے اور تیرا سینہ صاف ہے۔ اگر تو دین و آئین مردان **رکھتا** ہے تو بس تو قیصر روم اور فغفور چین ہے۔ یعنی سلطان و شہنشاہ ہے۔
- ★ وہ فال اور ستاروں کی گردش میں انسان کی تقدیر نہیں دیکھتا۔
- ★ یہ جھوٹ ہے کہ سود و زیاں ستاروں کے ہاتھ میں ہے تیرے سارے کام حکم سبحان سے ہوتے ہیں۔
- ★ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔
- ★ اپنے لئے اچھائیاں پسند کرنا اور دوسروں کے لئے برائیاں۔ یہ مومنوں کا مذہب نہیں سکھاتا۔

مختصر یہ کہ خوشحال خاں خٹک کی تعلیمات سراسر اسلامی ہیں۔ اسلام ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ قرآن پاک ہی اس کے فکر و نظر کا سرچشمہ ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے رہبر اور معلم ہیں :۔

پی این ایس سی کے عظیم بیڑے میں
ایک اور جدید اضافہ

پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن

Paragone 30 PNSC-3

REGD-NO.P-90

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

دعوات حق (جلد اوّل)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت

اخلاق و معاشرت، علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت، شریعت و طریقت، ہر پہلو پر حاوی کتاب، صفحات ۵۰۰، بہترین طباعت اور جلد، قیمت -/۳۰ روپے۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملی مسائل پر

قراردادیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردعمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء، سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہو سکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

عبادات و عبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب، صفحات ۸۸، قیمت -/۳ روپے

مسئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر، مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴، قیمت -/۳ روپے۔

اسلام اور عصرِ حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

عصرِ حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصرِ حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کفر و الحاد اور باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ، پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، صفحات ۴۴۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت -/۳۰

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں قرآن حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان

کاملپوری اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری (شرح صحیح البخاری)

از قلم حضرۃ مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ،

بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور اپنے اکابر سے زیر بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اوّل صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی (عربی)

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ — بخاری شریف کی کتاب الجہاد والمغازی اور حدیث وغیرہ نبویؐ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

اللہ تعالیٰ کی

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر، انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق

قیمت ایک روپیہ۔

ارشادات حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۵۰/۱ روپیہ۔

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان